میمونہ خورشید علی

تیری چاہ میں کھوئے

مکمل ناول

سپائس گرلز کا wanna be my lover فل والیم ڈیک پہ چل رہا تھا اور وہ گاڑی کا اسٹیئرنگ تھامے نور جہاں کا گیت گاتے ہوئے مسلسل جھوم رہی تھی۔

سونے دی تویڑی جے میں ہوندی ڈھولنا
سونے دی تویڑی
رہندی گلے نال لگ کے تیرے

"خدا کے واسطے زیبی! میرے حال پہ رحم کرو۔" ورشہ نے چلا کر کیسٹ پلیئر آف کر دیا۔ "رحم نہیں آتا تو کچھ شرم کرو۔ انگلش میوزک پہ پنجابی گیت گانے کی آخر تک ہی کیا بنتی ہے۔ میری سمجھ میں تمہارا یہ فارمولا بھی نہیں آیا۔ بس میری شامت نے دھکا دے دیا تھا جو میں صبح صبح تمہارے ساتھ نکل کھڑی ہوئی۔"

"ہوں، تو گویا تمہیں میرا انتخاب پسند نہیں آرہا؟" زیبی نے شرارت سے ہونٹ سکیڑے "چلو پھر دوسرا گیت سنو۔"

سجناں وے تینوں ساری دنیا پولاواں گی
کر دا اے پیار کیویں
تینوں بھی سکھلاواں گی سجناں وے
سجناں وے____

"او شٹ اپ زیباریہ احمد!" ورشہ دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ کر چلائی۔

اس لیے گاڑی تیز رفتار ہو کر دائیں بائیں ڈول گئی۔ ذہنی کو بری طرح تاؤ آ گیا۔

"کمینہ! سامنے سے کیا آنکھیں بند کر کے آ رہا تھا؟ اتنی بڑی گاڑی بھی دکھائی نہیں دی۔" اس نے مہارت سے گاڑی کو سنبھالا۔

ورشہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" وہ ابھی تک اسے مہذب گالیوں سے نواز رہی تھی۔

"اب جانے بھی دو۔ میری طرح شاید اس غریب کو بھی علم نہیں تھا کہ گاڑی میں دھمال ڈالتے ہوئے شہزادی التمش تشریف لا رہی ہیں ورنہ وہ اس گستاخی کا ارتکاب ہرگز نہ کرتا۔"

اس کے دیرینہ خطاب پہ وہ ہنس پڑی۔ اور فوراً ہی اپنے سابقہ موڈ میں آنے کی کوشش کرنے لگی۔

تب ہی ورشہ اس کا ارادہ بھانپ کر گھبرائی۔

"جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟"

"ضرور، ضرور۔" وہ شاہانہ انداز میں بولی۔

"اب اگر تم نے گانا گانے کی کوشش کی ناں تو میں تمہیں کسی حجام کی دکان پہ چھوڑ آؤں گی اسے اہتمام کر محبت سے شوق کو پروان چڑھانا، سمجھیں۔"

"ہاہاہا انتہائی بدذوق لڑکی ہے تو۔"

"میں اس اعلیٰ ذوق کی حامل کبھی ہو بھی نہیں سکتی۔"

"ہنسو۔" اسے نئی شرارت سوجھی۔

"کیوں نہ ایسا کریں ریس لگاتے ہیں۔"

"کس سے؟"

"اوں۔ ہاں۔ کسی سے بھی چیلنج کرو۔ کس گاڑی کو پیچھے چھوڑوں؟"

"مجھے فی الحال تم کالج چھوڑ دو۔ پھر اپنے سارے شوق پورے کر لینا۔" اس کی بات پہ کان دھرے بنا ہی اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

"وہ گرے ٹویوٹا کرولا دیکھ رہی ہو۔ ہمارا پہلا ٹارگٹ یہی ہے۔" وہ اس کا جنون اور بھاگتی ہوئی سوئی۔

ورشہ نے ہول کر اپنا دل تھام لیا۔

"وہ تو بہت آگے ہے۔" وہ گھبرائی۔

"اے بے وقوف ہمیشہ مقابلہ آگے والوں سے ہی کیا جاتا ہے۔" وہ پرسکون تھی۔

دیکھتی ہی دیکھتی وہ دوڑتی گاڑیوں کے درمیان سے ان کی گاڑی زناٹے بھرتی ہوئی نکل رہی تھی۔ ایسے جیسے فوجی بکتر بند گاڑی مجرم کا تعاقب کر رہی ہو۔ دوسرے ہی لمحے گاڑی گرے ٹویوٹا کرولا کے ساتھ آ گئی اور پھر اگلے ہی لمحے اس سے بھی آگے نکل گئی۔

"کہو کیسی رہی؟" وہ فاتحانہ انداز میں بولی۔

"سر پھٹنا تو تو ڑ دیا۔ اب کیا مجھ سے تو فل پر اثر بھی ہوگی۔"

ورشہ نے پسینے سے بھیگتے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں مسلا۔

دفعتاً "بلیک" کلوا سا کی گولی کی سی رفتار سے ان کے پاس سے گزری۔ دونوں نے یکلخت اس کی طرف دیکھا۔ ورشہ نے کوئی توجہ نہ دی۔ جب کہ وہ جل بھن کر بولی۔

"کمینہ ہمیں ریس کا سگنل دے کر بھاگا ہے۔"

"مگر میں نے تو اس کے ہاتھ میں کوئی جھنڈی نہیں دیکھی۔"

ورشہ اس کے خطرناک ارادے سے خوف زدہ ہو کر پناہ مانگنے لگی۔

"مگر میں نے دیکھی ہے۔" اس نے اسپیڈ بڑھا دی۔

ٹریفک کا ایک اژدھام سڑک پر رواں دواں تھا۔ ننھے منے بچے لاابالی پن سے سڑکوں پہ بھاگتے ہوئے اسکولوں کی طرف جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ موسم میں بلا کی خنکی تھی۔ شفق کی لالی میں برستا ہوا کہر عجیب دلفریب منظر پیدا کر رہا تھا۔ سو اپنی پسندیدہ سواری پہ اپنی دھن میں مگن دوڑتے بھاگتے مناظر سے لطف اندوز ہوتا اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔

"شور و جنگل کا مقابلہ تو وجیل سے کرنا کہاں کا انصاف ہے زینی۔" اس نے سہمے ہوئے انداز میں

احتجاج کیا۔ پھر اسے جتنی بھی قرآنی آیات آتی تھیں، اس عرصے میں وہ سب پڑھ ڈالی تھیں۔

"مقابلہ جرات کا ہے سامیں! اوقات کا نہیں۔"

اس نے مزید اسپیڈ بڑھادی۔ وردہ کا بلڈ پریشر اس سے بھی کہیں زیادہ اوپر چلا گیا۔

اچانک ہی اسے احساس ہوا۔ پیچھے آتی گاڑی مسلسل اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ شاید اس کا وہم ہو۔

وہ معمول کی طرح اپنی پسندیدہ اسپیڈ سے بائیک چلا رہا تھا جو کسی حد تک تیز رفتاری کے زمرہ میں آتی تھی۔

"اگر ہم اسے نہ ہرا سکے تو؟" وردہ نڈھال سی ہو کر بولی۔

"ایسا کبھی ہوا ہے کہ دوبارہ احمد کسی میدان میں ہار جائے۔"

وہ دو تین گاڑیوں کے درمیان میں سے اس طرح نکلی کہ وہ چونک گیا۔

چونکہ اس کی منزل آ گئی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی سواری کی رفتار قدرے دھیمی کرلی۔ اور وہ زن سے اسے وکٹری کا نشان دکھاتے ہوئے با آسانی اس کے پاس سے گزر گئی۔

جہاں داد نے بے حد حیرانی سے میرون ہنڈا اکارڈ کو دیکھا جس میں سے ہنستا مسکراتا نسوانی چہرہ جھانک رہا تھا اور پھر لمحوں میں ہی سب کچھ منظر سے غائب ہو گیا۔

"اوہا۔" وہ خوشی سے فاتح کی طرح جھوم رہی تھی "داد نہیں دو گی؟"

"لعنت دوں گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس نورا کشتی کے چکر میں ہم کالج سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔"

"ہائیں کیا واقعی؟" اس نے آنکھیں سکیڑیں۔

"باپ رے۔" یہ جان کر کہ کالج پیچھے رہ گیا ہے۔ اس نے جلدی جلدی گاڑی ریورس کی۔

*_*_*

پرنسپل صاحب کسی طویل میٹنگ میں مصروف تھے اور وہ اس عرصے میں ان کے آفس کا اچھی طرح سے جائزہ لے چکا تھا وہی گورنمنٹ کے اداروں جیسا عام سا آفس تھا۔

سبز چادر سے ڈھکی ہوئی بڑی سی میز۔ لکڑی کی کرسی جس کی پشت والی دیوار پہ قائداعظم کی بڑی سی تصویر لگی تھی۔

مگر اس کے سمجھ سے بالاتر تھا کہ ہمیشہ ہی آفیسر کے کمرے میں یہ تصویر اس کے پشت پہ ہی کیوں لگتی ہے۔ یقیناً "انگریزوں کی ہی ڈالی گئی داغ بیل ہو گی وہ تو یہاں سے نقل مکانی کر گئے اور ہم اب تک ان کی نقل کر رہے ہیں۔ دیوار پہ جابجا قائداعظم اور علامہ اقبال کے اقوال زریں جگمگا رہے تھے ساتھ ہی کالج کے اساتذہ، پرنسپل اور دوسری سیاسی مشہور شخصیات کی "کالج کے ہونہار طلبہ وطالبات کی تصاویر بھی نمایاں تھیں۔

اس کے علاوہ وہ طلبہ وطالبات، جو یقیناً زیادہ ہونہار تھے، ان کی تصاویر علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے میڈل اور تمغوں کے ساتھ جگمگا رہی تھیں۔ ایک چہرہ ہر تصویر میں نمایاں تھا جو اسے دیکھا بھالا لگا۔ مگر وہ بوجھ نہیں پایا کہ یہ چہرہ کہاں دیکھا ہے۔

تمام لڑکیاں ہی ایک جیسی ہوتی ہیں۔

تصویروں کا جائزہ ترک کر کے اس نے فرنیچر اور پردوں پہ غور فرمانا شروع کر دیا جن کی بدولت اس کمرہ میں کچھ جدت اور تازگی کا احساس تھا پھر اس نے وال کلاک پہ نگاہ ڈالی۔

تقریباً "پونے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔

وہ پہلو بدل کر پھر پڑھی پڑھائی خبریں پڑھنے لگا۔ اگر وہ گھر سے اخبار پڑھ کر نہ نکلتا تو یہ بوسیدہ خبریں اسے یقیناً طویل بوریت سے بچا سکتی تھیں۔ پھر بوریت سے بچنے کے لیے تو جیب میں سگریٹ بھی رکھا تھا لیکن سامنے ہی میز پہ لکھا ہوا رکھا تھا۔ "سگریٹ نوشی منع ہے" کتنی عجیب بات تھی اس

ساتھ ہی کرسٹل کا نفیس سا ایش ٹرے بھی رکھا ہوا تھا۔ جب سگریٹ نوشی منع تھی تو پھر یقیناً پرنسپل صاحب کنگھی کرتے ہوئے اس میں اپنی صورت دیکھتے ہوں گے۔

اس نے حیرت سے صاف ستھرے ایش ٹرے کی طرف دیکھا۔

اتنے میں چپراسی دوسرا کپ چائے کا لے آیا اور یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ پہلے کپ کی چائے میں مکھی تیر رہی ہے اور صاحب اخبار سے شغل فرما رہے ہیں۔

"سر! آپ نے ابھی تک چائے نہیں پی' یہ لیجیے میں دوسری چائے لے آیا ہوں۔" چپراسی نے پرانی چائے اٹھا کر بھاپ اڑاتی چائے سامنے رکھ دی۔

"نہیں شکریہ' یہ لے جاؤ۔ میں چائے نہیں پیتا۔" چپراسی کو شک ہوا صاحب جھوٹ بول رہے ہیں۔

"حیرت کی بات ہے کہ آپ پروفیسر ہو کر چائے نہیں پیتے۔"

"تم نے کتنا پڑھا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں سر۔"

"چائے پیتے ہو؟"

"کیوں سر؟"

"کیونکہ تم مجھ سے بڑے پروفیسر لگتے ہو۔"

"سر! آپ تو ناراض ہو گئے میں تو یونہی۔"

"میں نے کہا ناں میں واقعی چائے نہیں پیتا۔"

چپراسی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ نہ ناک پہ عینک تھی نہ چائے کا شوق' یہ کیسا پروفیسر تھا۔

"لے جاؤ یار! اسے' اس سے قبل دوسری مکھی اس میں تیرنے لگے۔" اس نے جھنجلا کر کہا اور اخبار رول کر کے میز پہ پھینک دیا۔

چپراسی چائے لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسی لمحے پرنسپل صاحب کمرے میں تشریف لے آئے۔

"السلام علیکم سر!" وہ اپنی نشست سے اٹھا۔

"وعلیکم السلام۔"

"مجھے آپ کا پیغام مل گیا تھا۔ تشریف رکھیے۔

آئی ایم سوری میں میٹنگ چھوڑ کر نہیں آ سکتا تھا۔" پرنسپل صاحب کرسی پہ بیٹھ گئے۔

"اٹس اوکے سر۔" اس نے گویا انکساری کی۔

"بیگ صاحب سے ملاقات ہوئی؟ ارے ہاں وہ تو خود میٹنگ میں شامل تھے۔" ساتھ ہی انہوں نے انٹر کام پہ انگلی رکھ دی۔

چپراسی بوتل کے جن کی طرح حاضر تھا۔

"بیگ صاحب کو بلائیے۔"

"اور سنیں' اگلی بار جب آپ آئیں تو ساتھ چائے بھی ہو۔"

"اور سر آپ کے لیے کیا لاؤں؟"

جہاں داد کو لگا جیسے چپراسی نے اسے چڑایا ہو۔

"چائے کے علاوہ کچھ بھی۔" اس نے جان چھڑائی۔

"جہاں داد صاحب! آپ چائے نہیں پیتے؟"

پرنسپل کو تعجب ہوا۔

"نہیں سر" وہ سادگی سے مسکرایا۔ "دیہاتی ماحول کا پروردہ ہوں ناں اس لیے۔" اس نے کیوں کا جواب دیا۔

"تو پھر ان کا پسندیدہ مشروب لے آئیے۔"

"سر! لسی نہیں مل سکتی۔"

جہاں داد نے گھور کر چپراسی کی طرف دیکھا۔

"انار کا جوس مل سکتا ہے۔"

"اس سردی میں انار کا جوس۔" چپراسی دانت بجاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

*_*_*

"میرا خیال ہے آپ آج ہی سے چارج سنبھال لیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔" پروفیسر سلطان بیگ اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

؟کیونکہ کل میری لاسٹ ڈیٹ ہے۔ نیکسٹ ویک تک مجھے یہاں سے چلے جانا ہے۔ بہتر ہو کہ آپ میری ہی موجودگی میں اسٹوڈنٹس سے متعارف ہو جائیں اس طرح اسٹوڈنٹس کا رسپانس بھی ہمیں مل

جائے گا۔ بے شک آپ کی قابلیت پہ تو ہمیں شک نہیں لیکن چونکہ مضمون خاصا نازک سبجیکٹ ہے اور کسی حد تک لطیف بھی۔ اس میں آپ کی ذہانت کا اندازہ اس امر سے لگایا جائے گا کہ آپ اس ذہانت کو اسٹوڈنٹس میں کس طرح منتقل کرتے ہیں۔ کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ قابل سے قابل استاد بھی عام طالب علم تک اپنی سوچ کی رسائی پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔" سلطان بیگ اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ انہیں آکسفورڈ یونیورسٹی نے بلایا تھا۔

"کیوں نہیں سر۔" جہاں داد آمادگی سے مسکرایا۔ "بے شک آپ میرا کسی بھی طرح سے امتحان لے سکتے ہیں۔ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔"

سلطان بیگ اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"آپ تو پہلی ہی جست میں انٹرویو پاس کر گئے تھے۔ یہ تو محض فارمیلیٹی ہے۔ مجھے ہمارے پرنسپل صاحب نے تو آپ کے ڈاکومنٹس دیکھ کر ہی سلیکٹ کر لیا تھا۔"

"ظاہر ہے سر! ایک ہونہار پروفیسر کے جانے کے بعد انہیں کسی نہ کسی کو فوری طور پہ رکھنا ہی تھا۔"

"ایسی بات نہیں ہے جہاں داد صاحب! اکیس امیدواروں میں سے آپ نامزد ہوئے ہیں اور یہ محض آپ کی قابلیت ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔"

جہاں داد آہستہ سے مسکرا دیا۔

"در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آدمی کبھی ایسی بات کر جائے تو تعجب کی بات نہیں ہے۔"

بیگ صاحب مسکرا دیے۔

"یہی تو المیہ ہے اس معاشرے کا۔ اس سے پہلے کتنی جگہ اپلائی کیا تھا؟"

"جتنے بھی اس شہر میں بینک ہیں۔ اس کے بعد خواتین کالجز بھی ٹرائی کیے۔" وہ شانے اچکا کر نرمی سے ہنسا۔

"اب تو آپ خوش ہیں؟"

"میں خوش نہیں ہوں۔ کیونکہ آپ مجھے برطانیہ کا مظلوم کر کے جا رہے ہیں جنہوں نے مسلمانوں پہ نصف صدی سے زائد حکومت کی تھی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"اگر آپ کو آکسفورڈ یونیورسٹی سے بلاوا نہ آتا تو میری گنجائش کبھی بھی ادھر نہ نکلتی۔"

"بالکل درست ہے آپ کی بات۔ لیکن اب یہ بھی تو دیکھیے وہی برطانیہ اب اسلام کی تعلیمات دینے کے لیے مسلمانوں کو اپنے ہاں مدعو کر رہا ہے۔"

"اسلام کی تعلیمات دینے کے لیے نہیں محض اپنے انسٹی ٹیوٹ کی ساکھ کو بحال رکھنے کے لیے ہر ایک معمولی پرزے کی ضرورت ہے انہیں۔ جسے آپ اپنی ترقی سمجھتے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں درحقیقت وہ ہر شعبے میں اپنا علم بلند رکھنا چاہتے ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی جس کی شہرت دنیا بھر میں ہے یہ کیسے ممکن ہے وہاں ایسے علم کو نہ سکھایا جائے جس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں کے برابر ہے۔"

بیگ صاحب اس کی مدلل گفتگو پہ نرمی سے مسکرا دیے۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا

شائع ہو گیا ہے

خوبصورت سرورق، آفسٹ چھپائی، مضبوط جلد،

قیمت 450/- روپے

پتا ذیل سے خریدیں

- مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی
- احمد نیوز ایجنسی، فریئر مارکیٹ کراچی
- سلطان نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ لاہور
- اشرف بک ایجنسی راولپنڈی • مہران نیوز ایجنسی حیدرآباد

بذریعہ ڈاک منگوانے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی

"شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔
منور کر گوشہ جہاں تجھ میں تیرا قیام ہو"
تو جہاں داد صاحب! اسلام تو ایک چراغ کی طرح ہے۔ ہم یہ کیوں دیکھیں کہ کوئی ہمیں کس طرح استعمال کر رہا ہے۔ ہمیں تو تبلیغ کرنی ہے دم آخر تک۔ تمام تر اغراض و مفادات سے بالاتر ہو کر کہیں بھی کسی بھی مقام پر۔ بہرحال اگر آپ واقعی برطانیہ کے مشکور ہیں تو آپ کو چاہیے جلد از جلد شکریے کا خط لکھیں۔ میں پہلی فرصت میں برطانیہ والوں تک پہنچاؤں گا۔"

جہاں داد ہنس پڑا۔

"چلیے کلاس ہمارا انتظار کر رہی ہوگی۔" انہوں نے رسٹ واچ گھمائی۔

*_*_*

دونوں یکے بعد دیگرے کلاس روم میں داخل ہوئے۔ معمول کی طرح کلاس انتہائی نظم و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے احترام میں کھڑی ہو گئی۔

"سٹ ڈاؤن کلاس!" سر بیگ نے معمول کی طرح کہا۔

اسٹوڈنٹس بیٹھ گئے، لیکن ان کی پرشوق نگاہیں نووارد ہستی پہ جمی تھیں۔

"جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مجھے کچھ عرصہ کے لیے انگلستان بلایا جا رہا ہے، اسلامیات پڑھانے کے لیے، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ عالمی شہرت یافتہ جامعہ نے ہمیں یہ اعزاز بخشا ہے۔ کالج میں اسلامیات کے اساتذہ تو اور بھی بہت ہیں، لیکن شماریات کے معاملے میں ہم خاصے پریشان ہو گئے تھے۔ اب یہ پریشانی بھی حل ہو گئی۔"

انہوں نے جہاں داد کی طرف ستائشی انداز میں دیکھ کر کہا۔

"یہ آپ کے نئے پروفیسر ہیں؟ آج سے یہ آپ کو سٹیٹ پڑھائیں گے بلکہ سمجھائیں گے۔ ان کا نام جہاں داد ملک ہے۔ یہ ان کا پہلا تجربہ ہے۔ امید ہے آپ ان کے ساتھ ٹھیک ٹھاک تعاون کریں گے۔"

کلاس متحیر سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر کیسے لگے آپ کو اپنے نئے ٹیچر؟"

انہوں نے کلاس کو کھلے دل سے اظہار رائے کا موقع دیا۔

"بہت اچھے۔"

"بہت ینگ ہیں۔"

"کام بہت یونیک سا ہے۔"

"ہمیں یہ اس خشک مضمون کے پروفیسر لگ ہی نہیں رہے۔"

"کیا واقعی یہ ہمارے نئے استاد ہیں؟"

کلاس سے رنگ برنگی آوازیں اور جملے سننے کو ملے۔

جہاں داد اس قدر بولڈ رسپانس پہ خفیف سا ہو گیا۔ سر بیگ کلاس کی شرارت پہ مسکرا رہے تھے۔

"اب یہ آپ کو خود ثبوت دیں گے کہ واقعی یہ آپ کے نئے استاد ہیں یا میں مذاق کر رہا تھا۔"

"او کے جہاں داد صاحب! اب میں چلتا ہوں۔ آپ اپنی کلاس سے تعارف کیجیے، باقی کلاسز کا ٹائم ٹیبل آپ اسٹاف روم سے لے لیجیے گا۔ او کے کلاس بہت لمبے عرصے کے لیے خدا حافظ۔"

"سر آپ جا رہے ہیں؟" کلاس ایک دم ہی رنجیدہ دکھائی دینے لگی۔

"سر! ہم آپ کو بہت مس کریں گے۔"

"سر! انگلستان میں اسلامیات پڑھانے کا فائدہ ہی کیا ہے؟"

"سر! حقیقتاً ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔"

"ہم آپ کو کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔"

"سر جب آپ آئیں گے تو نجانے ہم کہاں ہوں گے۔"

کلاس کی والہانہ محبت پہ سر بیگ کی آنکھیں پانیوں سے چمک گئیں۔

کلاس کے چہرے بجھے ہوئے تھے۔

"واقعی میں بھی آپ لوگوں کو بہت مس کروں گا۔" وہ اداسی سے مسکرائے۔ جہاں داد، استاد اور طالب علموں کے مابین دلی لگاؤ سے متاثر دکھائی دے رہا تھا۔

"جہاں داد صاحب! یہ میری بہت عزیز کلاس ہے۔ شاید مجھے کبھی ایسے اسٹوڈنٹس نہ ملیں اور خاص طور پہ ایک طالب علم کو میں ہمیشہ ہر مقام پہ یاد رکھوں گا۔"
وہ شفقت و شرارت سے ذوباریہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ جو کبھی بھی اس طرح منہ لٹکا کر نہیں بیٹھی تھی۔
جہاں داد نے اس پہ نگاہ ڈالی۔ یہ وہی چہرہ تھا جو پرنسپل کے آفس کی دیواروں پہ جگہ جگہ چسپاں تھا اپنے اعزاز اور تمغوں سمیت۔
"مسلسل چار سال سے یہ ہر فیلڈ میں کامیابی کے جھنڈے گاڑتی چلی آرہی ہیں۔ کالج کی نہ صرف ہونہار بلکہ دلیر ترین طالبہ ہیں۔"
ذوباریہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سر بیگ سے اس قدر شدید ناراضگی تھی کہ ابھی تک اس نے چہرہ اٹھا کر نئے سر کو بھی نہیں دیکھا تھا۔
غصہ تھا سر بیگ پہ کہ انہوں نے اتنا بڑا فیصلہ اکیلے ہی کیسے کرلیا تھا۔
کالج میں آتے ہی اس خبر نے اسے شدید دھچکے سے دوچار کیا تھا جو اس کے لیے انتہائی غیر یقینی تھی۔
"کھڑی ہو جائیے ذوباریہ احمد!" سر بیگ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے اٹھنے کو کہا مگر وہ روٹھے سے انداز میں بیٹھی رہی۔
"میں چاہتا ہوں' آج کے اس اہم دن پر تم سب سے زیادہ بہادری اور خوش دلی کا مظاہرہ کرو اور پھر رخصت کرنے والے کو خوش دلی سے رخصت کرنا چاہیے تاکہ سفر تازگی سے گزرے۔"
وہ خود آبدیدہ ہوتے گئے مگر ذوباریہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ ایک سینئر کے ساتھ طالب علم کی ایسی گستاخی جہاں داد کو کچھ عجیب سا لگا اس نے روسٹرم پہ ہلکا سا پین بجایا۔
"پلیز اسٹینڈ اپ ذوباریہ احمد!" اس کا انداز تادیبی تھا۔
ذوباریہ چاروناچار کھڑی ہوگئی۔
"اینڈ پلیز اسٹینڈ اپ آل کلاس۔" تمام لڑکے لڑکیاں بھی فوراً کھڑے ہوگئے۔
"ایک اچھا استاد عظیم محسن کی طرح ہوتا ہے۔ اپنے محسن کو مسکرا کر خدا حافظ کہیے تاکہ وہ آپ کو ہمیشہ یاد کرکے خوش ہوں۔"
کلاس جبراً مسکراہٹوں کے دلاوے بولنے لگی۔ ذوباریہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو رواں ہوگئے وہ ضبط کرنے کی کوشش میں چہرہ جھکائے کھڑی رہی۔
"وِش یو بیسٹ آف لک کلاس!" سر بیگ خود آبدیدہ ہوگئے' پھر انہوں نے مسکرا کر جہاں داد سے مصافحہ کیا اور کلاس روم سے باہر نکل گئے۔
کلاس کا ماحول افسردہ اور بوجھل سا ہو رہا تھا۔
"سٹ ڈاؤن پلیز۔" سب بیٹھ گئے مگر ذوباریہ کھڑی رہی۔
ورشہ نے پلو کھینچ کر اسے بٹھایا۔ ذوباریہ کو اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ اس نے آنسوؤں کے ریلے کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑ دیا۔
"آخر اسے ضرورت ہی کیا ہے اتنا جذباتی ہونے کی۔ جاتے ہیں تو جائیں۔ میری بلا سے۔" اس نے خود کو ملامت کرتے ہوئے ہتھیلی سے آنسو رگڑے۔
"جائیے پانی پی کر آئیے۔" جہاں داد نے ایک نگاہ غلط اس پہ ڈالی اور رجسٹر دیکھنے لگا۔
ذوباریہ اس حکم پہ چڑ گئی۔ سخت غضب ناک حالت میں چہرہ اوپر کیا اور پھر جیسے نگاہیں جھکانا بھول گئی۔ دوسرے ہی لمحے جہاں داد نے رجسٹر بند کردیا' جیسے اس پور فضا سے سخت اکتا گیا ہو۔
"اوکے کلاس! انشاء اللہ کل ملاقات ہوگی۔ فریش موڈ اور فریش ماحول میں۔"
وہ کمرے سے نکل گیا۔ کلاس بیک وقت دو طرح کے موڈ میں باتیں کرنے لگی۔ لیکن وہ اسی موڈ میں جیسے ایک نئے ماحول میں داخل ہوگئی۔

--*

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو واقعے ایک ہی وقت میں اس طرح رونما ہوتے ہیں کہ انسان خود بھی اندازہ نہیں لگا پاتا کہ وہ کس واقعہ کے زیر اثر زیادہ دیر تک رہا ہے۔
کون سی بات خوشگوار ثابت ہوئی اور کون سی

ناخوشگوار۔ عجیب طرح کی خاموشی سی چھا جاتی ہے۔

وہ محض اداس نہیں تھی بلکہ کسی قنوطیت میں مبتلا تھی۔

"پلیز ذوبیہ! خود کو نارمل کرو۔ میں تو تمہاری لٹکی ہوئی شکل دیکھ کر اکتا گئی ہوں۔ ٹھیک ہے وہ ہمارے بہت پیارے استاد ہیں۔ سب ہی کو ان کے جانے کا بے حد افسوس ہو رہا ہے مگر خدارا اتنا افسوس بھی مت کرو کہ ان کے ساتھ کوئی حادثہ ہی پیش آ جائے۔"

وہ چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کرتی رہی۔ کوئی جواب نہیں دیا۔

"اگر تمہیں ان کے جانے کا اتنا ہی افسوس ہو رہا ہے تو ایڈمیشن کرا لو۔ برطانیہ جانا ویسے بھی تم جیسے [illegible] کے لیے اتنا مشکل اور ناممکن ۔۔۔ نہیں ہے مگر [illegible] کو مس کر دی۔"

[illegible] خاموشی ہی کا راج تھا۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو صبح کالج ایک ہنگامہ کرتی ہوئی آ رہی تھی۔

"اوہ یار گاڑی کی کچھ اسپیڈ تو بڑھاؤ تمہارے ساتھ سفر کرتے ہوئے عادت سی پڑ گئی ہے 'ریس کا گھوڑا' بننے کی۔ نارمل اسپیڈ میں مزہ ہی نہیں آتا اور ویسے بھی اگر میں درست حالت میں گھر گئی تو گھر والے مجھ پہ شک کریں گے کہ میں کسی اور کے ساتھ آئی ہوں۔ اس لیے بہتر ہے تم مجھے اپنی شریک سفر ہونے کا ثبوت دو۔"

بہت دیر کے بعد وہ مسکرائی تو ورشہ نے سکون کا سانس لیا۔

"تھینکس گاڈ کہ تم نارمل ہو گئیں۔" اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی لیکن چونکہ صبح کی نسبت اب سڑک پہ رش زیادہ تھا۔ اس لیے اسے اسپیڈ کم کرنا پڑی۔ بڑی احتیاط سے بچا بچا کر گاڑی رش میں سے نکالی۔ لیکن اچانک ہی فرنٹ گارڈ کسی چیز سے ٹکرایا۔ فوراً ہی بریک نہ لگاتی تو بائیک پہ سوار اپنی سواری سمیت دور جا پڑتا۔

"ارے 'سر آپ؟'" دونوں نے حیرت سے جہاں دار کی طرف دیکھا وہ اگر فوری طور پہ سیدھا پاؤں زمین پہ نہ ٹکاتا تو اس حادثے کا شکار ہو جاتا۔

"سوری سر۔ چوٹ تو نہیں لگی؟" [illegible] ایک طرف کھڑی کر کے باہر نکل آئی۔

"نہیں" البتہ نمبر پلیٹ ضرور ٹوٹ گئی ہے۔" [illegible] چبا چبا کے انداز میں بولا لیکن پھر [illegible] تھوڑا سا مسکرا دیا۔ مگر وہ پشیمان ہو گئیں۔

"سوری سر۔" ورشہ نے پشیمانی کا اظہار کیا۔

"اٹس او کے۔ اس میں آپ کا بھی کیا قصور، یہ گاڑی چیز ہی ایسی ہے کہ اس میں بیٹھ کر کوئی کا خواہ مخواہ ریس کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"نہیں سر! واقعی یہ سب اچانک اور خود بخود ہوا ہے۔ ورنہ ذوباریہ ڈرائیو بہت اچھی کرتی ہے۔"

"وہ میں صبح دیکھ چکا ہوں۔ غالباً" یہی سیون الیون آج صبح اسی سڑک پہ فائر بریگیڈ بنی ہوئی تھی۔ ایک بار تو مجھے ایسا لگا جیسے میرا ہی پیچھا کر رہی ہو۔"

"اوہ۔ تو سر وہ آپ تھے؟" دونوں بے ساختہ اپنی بے وقوفی پہ ہنس پڑیں۔ "دراصل صبح دھند زیادہ تھی نا اس لیے چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔"

"اگر آپ کو معلوم ہو جاتا کہ میں آپ کا نیا پروفیسر ہوں تو کیا آپ میرا پیچھا نہ کرتیں؟"

"ہم شریف لڑکیاں ہیں سر! مردوں کا پیچھا نہیں کرتیں۔ وہ تو آپ کی بائیک کی اسپیڈ سے متاثر ہو کر ذوباریہ نے آپ سے ریس کی شرط باندھ لی تھی ورنہ ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔"

دونوں ہی سنجیدہ ہو گئیں۔

"اچھی بات ہے مگر آئندہ ایسا نہ کیجئے گا کیونکہ یہ ایک خطرناک کھیل ہے۔ نہ صرف آپ کی جان کو خطرہ ہوتا ہے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے اور پھر لڑکیوں کو تو ویسے بھی سیدھے سیدھے راستوں پہ چلنا چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ اکیلی ہوں تو ان کے ساتھ شیطان سفر کرتا ہے اور پھر یہ تو بازیگروں کے کام ہیں جو سرکس کے میدانوں میں ہی سجتے ہیں۔" وہ استہزائیہ مسکرایا۔ ذوباریہ جل بھن گئی اپنے آپ کو بازیگر کہلائے جانا اسے سخت ناگوار گزرا۔

"اتنی پیاری لڑکی کو ایسے خطاب سے کوئی اندھا ہی

نواز سکتا ہے۔ یہ یقیناً" بدذوقی ہی نہیں حد سے زیادہ مغرور بھی ہے۔

"جس اسپیڈ سے آپ موٹر بائیک چلاتے ہیں یہ بھی بازیگروں کا شوق ہے سر اور ایسے شوقین اکثر موت کے کنوؤں میں پائے جاتے ہیں۔" وہ اپنی ناگواری کو چھپا نہ سکی۔

ورشہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنسی روکنے لگی۔

جبکہ جہاں داد نے دل کھول کر اس بات سے لطف لیا۔

"خیال ہا" عجیب و حیرت انگیز کام کرنے والے کو بازیگر کہتے ہیں۔ عجیب یہ نہیں کہ آپ بائیک اسی کی اسپیڈ سے چلا رہے ہیں عجیب تو یہ ہے کہ آپ فور وہیل کا مقابلہ ٹو وہیل سے کر رہی ہیں اور وہ بھی بے انتہا رش میں۔ لیکن خیر یہ آپ کا مسئلہ ہے بہرکیف اب اگر آپ کا آئندہ شرط لگانے کو جی چاہے تو اسی سواری کا انتخاب کیجئے گا جس پہ آپ کا حریف سوار ہو تاکہ آپ کو ہرانے والا شرمندگی سے دوچار نہ ہو سکے اور آپ کو ہارنے میں بھی مزہ آئے۔ چلتا ہوں۔"

اس نے ادھ جلا سگریٹ جوتے کے نیچے مسلا اور اپنی منزل کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ ذوباریہ اس کی آخری بات پہ بری طرح سے تلملا کر رہ گئی۔

٭_٭_٭

کالج جوائن کیے اسے ہفتہ ہی گزرا تھا اور اس اتنے معمولی سے عرصے میں اس کی شہرت پورے کالج میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

ذوباریہ آج چودہ دن کے بعد کالج میں آئی تو کلاس کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یہ وہی کلاس تھی جس میں بمشکل بیس لڑکے لڑکیاں ہوا کرتے تھے۔ آج ساٹھ کے قریب تعداد لگ رہی تھی۔ تمام تر حالات اور واقعات سے آگاہی تو اسے گاہے بگاہے ملتی رہتی تھی لیکن چشم حقیقت سے جو نظارہ دیکھا وہ زیادہ دلفریب تھا۔

"سنو وہ بھوری بلی بھی اپنی کلاس میں آ گئی ہے جس کے پیچھے کالج کے تمام لڑکے مرتے تھے۔" ورشہ کی تازہ اطلاع پہ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ فارینہ دوسری رو میں پہلی نشست پہ براجمان تھی۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔

"حیرت کی بات ہے کالج کے سارے نکمے لڑکے اسی کلاس میں آ گئے۔" وہ بڑبڑائی۔

"چپ کرو۔ کلاس میں خاموشی ہے۔" ورشہ نے ٹہوکا دیا۔

"سنو فارینہ! تمہارے سبجیکٹ میں آ رہا ہے؟" وہ چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔

"ہاں بالکل آسان تو ہے۔ تم نے تو خوامخواہ ہی ہوا بنا رکھا تھا۔" فارینہ نے کاندھے اچکا کر جواب دیا تو ذوباریہ ہنس پڑی۔

"تمہارے خیال سے زیادہ کیا آسان ہے' سبجیکٹ یا سبجیکٹ کا پڑھانے والا۔"

فارینہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ کلاس قہقہوں سے گونجنے لگی۔

اسی لمحے جہاں داد نے کمرے میں قدم رکھا' یکلخت ہی سناٹا چھا گیا۔ ذوباریہ کو وہ پہلے دن سے بہت زیادہ مختلف دکھائی دیا۔

چہرے پہ بالکل استادوں والی سختی تھی اور انداز بھی بہت پر تکلف تھا۔

وہ تیزی سے رول کال لینے لگا لیکن پانچویں ہی رول نمبر پہ اس کا قلم ٹھہر گیا' جب اس نے چودہ دن کے بعد پریزنٹ کی آواز سنی۔

"پلیز اسٹینڈ اپ۔" ذوباریہ کھڑی ہو گئی۔

"آپ پچھلے چودہ دن سے کہاں تھیں؟"

"سر! اپنے گھر میں۔" جواب سادگی سے گیا۔

کلاس میں دبے دبے قہقہے ابھرے۔

"ود آؤٹ اینی ایپلیکیشن۔" وہ ناراضگی سے بولا۔

"میں نے ورشہ سے کہا تھا سر کہ وہ میری رول نمبر پہ پریزنٹ کہتی رہے۔ لیکن یہ نکمی آپ کو دیکھنے میں اس قدر محو ہوا کرتی تھی کہ اکثر اپنی رول کال پہ بھی پریزنٹ ہونے کا اظہار نہ کر سکی۔"

کلاس ایک بار پھر ہنس پڑی۔

"دس از ٹو مچ!" اس نے غضبناک کیفیت میں

روسٹرم پہ ہاتھ مارا۔ کلاس میں فوری طور پہ سناٹا چھا گیا۔

"میں آپ کو مسخرہ نظر آ رہا ہوں یا آپ اپنے آپ کو بھانڈ محسوس کرتے ہیں کیا مجبوری ہے آپ لوگوں کی جو آپ بار بار ہنستے ہیں۔ یہ کلاس روم ہے اور میں آپ کا استاد ہوں۔ آئندہ میں اس قسم کی بد تمیزی قطعی برداشت نہیں کروں گا اور نہ ہی یہ دیکھوں گا کہ آپ کالج کی سینئر کلاس ہیں۔ مجھے آپ لوگ اور مس ذوباریہ احمد! آپ کلاس روم سے باہر جا سکتی ہیں کیونکہ مسلسل ابسنٹ ہونے کی وجہ سے میں آپ کا نام کلاس سے نکال چکا ہوں۔ یہ جواز جا کر آپ پرنسپل صاحب کو بتائیے شاید انہیں اس بات پہ ہنسی آ جائے مہربانی سے اب آپ جا سکتی ہیں۔"

اس قدر شدید انسلٹ پہ ذوباریہ کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا۔ کلاس کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کلاس سے باہر نکل گئی۔ وہ نئے سرے سے حاضری لینے لگا۔ پھر چاک اٹھا کر بلیک بورڈ پہ گراف بنایا اور سوال سمجھانے لگا، اسی لمحے کلاس روم کا دروازہ آہستہ سے بجا۔ جہاں داد نے مڑ کر دیکھا کلاس بھی ادھر متوجہ ہو گئی۔ چپراسی انتہائی مؤدب انداز میں کھڑا تھا۔ پھر اجازت سے اندر آیا اور ایک پرچی اسے تھمائی۔ پرچی پہ نگاہ پڑتے ہی اس کی پیشانی پہ ناگواری کی لکیر کھنچ گئی۔

"ایکسکیوزمی کلاس۔" وہ چاک زمین پہ اچھال کر ہاتھ جھاڑتا ہوا۔ چپراسی کے پیچھے کلاس روم سے باہر نکل گیا۔

——*

"مے آئی کم ان سر!" لہجہ سخت نروٹھا تھا۔

"آیئے آیئے جہاں داد صاحب!" پرنسپل صاحب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ سر جھکائے صوفے پہ بیٹھی تھی۔

"آئی ایم سوری جہاں داد صاحب! میں نے آپ کو زحمت دی آیئے بیٹھیے۔" پرنسپل نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور اسے اپنے سامنے والی کرسی پہ بیٹھنے کی پیشکش کی وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"ذوباریہ ادھر آئیں آپ۔" حیران کے عالم میں کھڑی ہو گئی۔

"آپ نے ٹیچر سے ایکسکیوزکریں آپ بغیر اجازت کے کلاس روم میں جا کے۔"

"مگر سر! میں نے تو کوئی بد تمیزی نہیں کی یہ سر نے خود پوچھی، میں نے بتا دی۔"

اس کی ڈھٹائی پہ جہاں داد خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"کیا شاگرد کو زیب دیتا ہے کہ وہ استاد کو لاپروائی سے جواب دے۔" پرنسپل صاحب کا لہجہ ملائم اور انداز سمجھانے والا تھا۔

وہ خاموش ہو گئی۔

"سوری کیجیے۔" انہوں نے سختی سے حکم دیا گویا دھیما تھا۔

"کیا یہ اتنی نواب زادی ہے کہ پوری کلاس کے سامنے سوری کرتے ہوئے اس کی شان گھٹ جاتی ہے پرنسپل صاحب یہاں علیحدگی میں اسے بلا کر سوری کرا رہے ہیں۔"

جہاں داد کو پرنسپل کا انداز سراسر خوشامدی اور غیر منصفانہ لگا۔

اس کے تن بدن میں چنگاریاں سلگ گئیں اور وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"میں نے کیا کہا ہے ذوباریہ آپ سے؟" پرنسپل نے اصرار کیا جہاں داد نے تیزی نگاہ اس پہ ڈالی۔

"سوری سر!" وہ گردن جھکا کر بالآخر آہستگی سے بول ہی پڑی۔

پرنسپل صاحب دھیرے سے مسکرائے ایسے جیسے کسی بزرگ نے دو بچوں کے مابین صلح کرا دی ہو۔

"اب آپ کلاس روم میں جایئے۔ آپ کے ٹیچر ابھی تھوڑی دیر میں آ رہے ہیں۔" ذوباریہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

پرنسپل اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"دراصل پروفیسر جہاں داد صاحب! یہ لڑکی ہمارے کالج کی سب سے ہونہار طالبہ ہے۔ بہت ہی لائق، بہت ہی ذہین [illegible]

آپ سب اس کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔ حالیہ، جو اس کی غیر حاضری ہوئی ہے وہ محض پروفیسر بیگ صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بہت زیادہ تفتیش کر رہی ہے وہ پروفیسر سلطان بیگ کو، وہ نہ صرف اس کے استاد تھے بلکہ ان سے فیملی تعلقات بھی بہت زیادہ تھے۔"

"یہ بات وہ خود بھی بیان کر سکتی تھی سر!" وہ بہت دیر کے بعد ناراضی سے لہجے میں بولا گویا جیسے پرنسپل کی وضاحت پسند نہ آرہی ہو۔

پرنسپل صاحب مسکرا دیے۔ "بعض لوگ رشتوں سے تعلق چھپا کر رکھنے کے عادی ہوتے ہیں، بہر حال یہ اس کی غلطی ہے، انشاء اللہ اب آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"شکایت تو تب دور ہوتی سر جب آپ اسے کلاس روم میں سوری کرنے کو کہتے۔"

وہ کرسی دھکیل کر اٹھ گیا۔ "او کے سر چلتا ہوں کلاس انتظار کر رہی ہوگی۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" انہوں نے بڑھ کر مصافحہ کیا وہ ان کے کمرے سے باہر آگیا۔

کلاس اس کا انتظار کر رہی تھی۔

اور وہ پہلی ہی نشست پہ بالکل پر اعتماد انداز میں بیٹھی تھی۔ ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

اس نے وقت دیکھا ابھی بیس منٹ تھے۔

اس نے بلیک بورڈ پہ حل کیا گیا ادھورا سوال مٹا دیا۔

"پچھلے ہفتے جو ہم نے چیپٹر پڑھا تھا۔ اس کے چند فارمولوں کا میں آپ سے ٹیسٹ لینا چاہتا ہوں تاکہ وہ آپ لوگوں کی سمجھ میں کس حد تک آیا ہے پھر ہم آگے بڑھیں گے۔"

پھر اس نے کتاب کھول کر ایک نظر دیکھا اور بلیک بورڈ پہ سوال لکھ دیا۔

پوری کلاس نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ لیکن چند نکموں کے ہاتھ بھی نیچے تھے اور سر بھی جھک رہے تھے۔

"نواز! ادھر آئیں اور یہ سوال حل کریں۔ اس فارمولے کے تحت۔"

"آئی ایم سوری سر!" نواز نے کھڑے ہو کر شرمندگی سے معذرت کی۔

"اٹس اوکے۔"

"سوری سر!" ایک اور لڑکا کھڑا ہو گیا۔

"فارینہ آپ؟"

"سوری سر!" وہ مچل کر سوری کرنے لگی۔

"مہو۔"

"سوری سر۔" اگلی لڑکی کھڑی ہو گئی۔

"دوبارہ احمد آپ!" اسے سو فیصد امید تھی کہ وہ بھی اٹھ کر یہی لفظ کہے گی۔ سوری سر۔

لیکن وہ بڑی احتیاط سے اٹھی اس کے قریب آئی پھر چاک اٹھایا اور سوال حل کرنے لگی۔

چونکہ اس نے اپنے قد کی مناسبت سے سوال بہت اونچائی پہ لکھا تھا۔ اس لیے دوبارہ کو پنجوں پہ زور دے کر سوال کے قریب سے ہی جواب شروع کرنا پڑا۔ وہ ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اس کی کارکردگی چیک کرنے لگا۔ وہ بڑی تیزی سے سوال حل کر رہی تھی۔ جہاں داد کی نگاہیں اس کے سراپے سے الجھ گئیں بلیک ہائی نیک پہ ڈارک براؤن جیکٹ، بلیک پینٹ اور بلیک ہی ڈان کارلوس کا جوتا۔

براؤن شولڈر کٹ بالوں کی پونی اور برائے نام شانے پہ جھولتا کالا اسکارف۔

عجیب مردانہ وضع کا حلیہ تھا۔ اس نے تین منٹ میں سوال حل کر کے "سر" کی طرف دیکھا۔ "ہو گئی کونسچن سر۔"

سوال میں بلا کا اعتماد تھا۔

جہاں داد اس کی ذہانت سے متاثر نظر آنے لگا لیکن اس نے اس ذہانت کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام لیا۔

"بیٹھ جائیے پلیز۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اپنی نشست کی طرف بڑھ گئی۔

sit down please other people

Now

باقی لڑکے لڑکیاں بھی بیٹھ گئے۔ وہ نیا چیپٹر کھول

کر سمجھانے لگا۔ ذوباریہ دل ہی دل میں اس کی ناکام سازش پہ ہنس رہی تھی۔

۔۔*

بہت ساری گاڑیوں کے درمیان سے اس نے اپنی موٹر بائیک نکالی اور اسے سیدھے رخ کھڑی کر کے اسٹارٹ کرانے لگا۔ اسی لمحے زوں زوں کی پاٹ دار آواز اسے انتہائی قریب سے آئی اور کھٹ سے ہنڈا کی ڈی 70 موٹر بائیک اس کے ساتھ آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے چونک کر گردن موڑی اور پھر دنگ رہ گیا۔

کالے اسکارف کو چہرے اور سر پہ لپیٹے آنکھوں پہ سن گلاسز چڑھائے وہ بڑے اعتماد سے ایکسلیٹر اور کلچ مٹھیوں میں دبائے بیٹھی تھی۔

پھر ایک پاؤں زمین پہ ٹکا کر اس نے چشمہ اتارا اور اعتماد سے بولی۔

"چلیں سر!" اس کی آنکھوں میں بے پناہ چیلنج تھا۔

جہاں داو نے حیرت سے نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ تھوڑا سا مسکرائی۔

I like to live in battle
feild for all the time

(مجھے ہر وقت حالت جنگ میں رہنا اچھا لگتا ہے)۔

جہاں داو نے ایک بار پھر نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"حیرت کی بات ہے سر! آپ کو یاد ہی نہیں آپ نے کیا کہا تھا کہ آئندہ اگر میرا شرط لگانے کو جی چاہے تو میں اس سواری کا انتخاب کروں جس پہ میرا حریف سوار ہو مگر افسوس کہ مجھے بائیک چلانا نہیں آتی تھی۔ میں پچھلے چودہ دن تک اسی لیے کالج میں حاضر نہیں ہو سکی کہ میں بائیک چلانا سیکھ رہی تھی۔ امید ہے اب آپ کو ہار کر شرمندگی نہیں ہو گی۔"

اس نے پھر سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھا لیے۔

جہاں داو نے اس کے چہرے پہ پہلی بار عمیق نگاہ ڈالی ہر نقش اپنی جگہ پہ بے حد متوازن اور دلکش تھا۔

اس کا جارحانہ انداز اور حلیہ کس قدر متضاد تھا بہ نسبت چہرے کے۔ لگتا ہی نہ تھا اس نازک وجود میں اپنے عزائم بھی ہوں گے۔ حالانکہ جہاں داو نے اسے دیکھا تھا تو وہ روتی ہوئی [illegible] تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا یہ روتی ہوئی [illegible] روتی نہیں لڑکی بھی ہو گی۔

اتنی سی لڑکی اور اس سے مقابلہ کرے گی۔ غرور کی انتہا ہی تو تھی نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے [illegible] پہ تمسخر پھیل گیا۔

اس نے چہرہ بالکل سیدھا کر لیا اور سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں خواتین سے مقابلہ نہیں کرتا۔ اس لیے یہی کہوں گا 'لیڈیز فرسٹ پلیز۔'" اس نے تھوڑا سا بائیک پیچھے کی اس کے انداز پہ ذوباریہ تلملا گئی۔

"مقابلہ کرتے ہوئے میں جنس کا احساس نہیں کرتی۔" وہ چیخ گئی۔

"لیکن مردوں کو کرنا پڑتا ہے۔" وہ مسکرایا "مجھے تو انہیں خواتین کو ہرا کر بھی شرمندگی ہوتی ہے اور ہار کر بھی۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی بائیک کا رخ مخالف سمت کر لیا یعنی جس طرف اس کی پیٹھ تھی۔

"دھیان سے گھر جائیے گا چودہ دن کی پریکٹس اتنی زیادہ بھی نہیں ہوتی۔"

وہ زن سے اپنی بائیک اڑا لے گیا۔ ذوباریہ دھول کے مرغولوں میں اس کے وجود کو مدغم ہوتا دیکھتی رہ گئی۔

۔۔*

"صاحب! یہ آج کی ڈاک ہے۔"

صفدر نے مختلف رنگوں کے لفافے اس کے سامنے رکھے۔

جہاں داو نے جیب سے لائٹر نکالا اور ان لفافوں کو نذر آتش کرنے لگا۔ اسے پتا تھا کہ یہ کالج کی بیوقوف لڑکیوں کے خط ہوں گے جن میں اس کی بے پناہ تعریفیں کی گئی ہوں گی۔

"صاحب! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اس میں بجلی کا بل بھی ہے اور اماں جی کا خط بھی۔" اس کا ہاتھ رک گیا۔ بجلی کا بل اور اماں جی کا خط اس نے نکال لیا۔

باقی لفافے ایک طرف پھینکتے ہوئے "یہ سب غیر ضروری خط ہیں۔ آئندہ ایسی ڈاک میرے انتظار میں مت رکھنا میرے آنے سے پہلے جلا دیا کرو۔"

"صاحب! ایک بات پوچھوں۔۔؟"

"پوچھو۔"

"آپ ان خطوط کے جواب کیوں نہیں دیتے؟"

"اماں نے بچپن میں منع کیا تھا پلٹ کر جواب دینے والے لوگ گستاخ ہوتے ہیں۔ تب سے نصیحت پلو میں باندھ رکھی ہے۔ یہ پیسے اور بل اپنے پاس رکھو۔ صبح ڈیلی ٹرسٹ میں جمع کرا دینا اور ہاں میری غیر موجودگی میں ٹی وی کم دیکھا کرو۔ سارا بل اسی خرچے کا ہے۔ سی این این تمہاری سمجھ میں کیا آئے گا۔ اس سے اچھے پروگرام تمہیں نیچے چائے والے کی دکان پہ مل سکتے ہیں۔ اچھا ہمسایہ وہی ہے جو ہمسایوں کی خبر رکھے اب تم جا سکتے ہو۔"

لڑکا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"عجیب مولا مزاج آدمی ہیں یہ جہاں داد صاحب بھی۔ دینے پہ آئیں تو لٹا دیں۔ حساب رکھیں تو سوئیاں گننے لگتے ہیں۔"

اماں جی کا خط کھولنے سے پہلے اس نے سگریٹ بجھا دیا پھر بڑے احترام اور تقدس سے خط کھولا۔

صفحہ قرطاس پہ لفظوں کے موتی بکھرے پڑے تھے۔

یہ یقیناً" زہرہ کی لکھائی تھی۔ سارے پنڈ کی عورتیں اسی سے خط لکھواتی تھیں اور وہ بڑے شوق سے یہ کام کرتی تھی۔

اور وہ کتنی حیرانی سے اسے دیکھتا رہتا تھا اور پھر کیسے نئے نئے سوال کرتا تھا اس سے۔

"یہ خط کیا ہوتا ہے بھر جائی؟" وہ اس کے پہلو سے چپک کر بیٹھا تھا۔

وہ اس کے سوال پہ ہنس پڑی۔ "ایک پیغام ہوتا ہے جب کوئی پیارا کسی سے دور چلا جاتا ہے تو اسے اپنی خیریت کے لفظ لکھ کر بھیجتے ہیں اور وہ خط بن جاتا ہے۔"

"کیا ہر دور چلے جانے والے کو خط بھیجا جا سکتا ہے؟" وہ معصومیت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ زہرہ کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

"جو لوگ واپس آنے کا کہہ کر جاتے ہیں۔ صرف وہی پردیسی ہوتے ہیں جو کبھی نہ آنے کے لیے چلے جائیں۔ ان کے پاس خط نہیں جاتے وہ ہمیں اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔"

وہ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی بات سے وہ اداس ہو گئی تھی۔ اس نے بات بدل دی۔

"تمہاری لکھائی بہت اچھی ہے بھر جائی۔"

"اچھا!" وہ آنسو صاف کر کے ہنس پڑی۔

"تم سب کو خط لکھتی ہو، مجھے بھی خط لکھا کرو گی؟"

"تو تو میرے پاس ہے۔ خط تو پردیسیوں کو لکھے جاتے ہیں۔"

"ایک دن میں بھی پردیسی بن جاؤں گا، تب تو خط لکھو گی ناں مجھے؟"

"تب بھی نہیں لکھوں گی۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"کیوں؟" وہ ناراض ہوا۔

"کیونکہ تب تک تو اتنا پڑھ لکھ جائے گا کہ تجھے میری لکھائی بھی بری لگنے لگے گی۔"

"اچھا!" وہ اداس ہو گیا۔ "میں زیادہ نہیں پڑھوں گا۔ جب مجھے خط لکھنا آ جائے گا۔ میں پڑھائی چھوڑ دوں گا۔"

"اچھا، وعدہ۔؟" وہ ہنس پڑی۔

"وعدہ!" اس نے جوش سے کہا۔

"صاحب جی! یہ دودھ۔" صفدر کی آواز پہ وہ چونک پڑا۔

"رکھ دو۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

صفدر دودھ رکھ کر چلا گیا۔

جہاں داد نے خط تہہ کر کے میز پہ رکھ دیا نوکری مل جانے پہ اماں جی نے ڈھیروں پیار کیا دوی تھی۔

بار بار کھانے پینے کی تلقین کی تھی۔

لیکن زہرہ نے اپنی طرف سے ایک جملہ بھی نہیں لکھا تھا۔

بس اتنا لکھا تھا کہ "سگریٹ کم پینا۔"

وہ مسکرا دیا اور سگریٹ جیب سے نکال کر سلگانے لگا۔ دھوئیں کے مرغولے اسے ماضی کے گرداب میں دھکیلنے لگے۔

"میرے بیٹے نے آج پوری چودہ کلاسیں پاس کرلی ہیں۔ پورے پنڈ میں دیکھنا مٹھائی بانٹوں گی۔"

ماں جی کا خوشی سے برا حال تھا۔ زہرہ بڑے سے مٹکے میں مدھانی ڈالے مکھن نکال رہی تھی۔ ماں جی کی بات سن کر مدھانی روک لی۔

"تمہارے پنڈ والے تھو تھو کریں گے۔"

وہ جھک کر نل سے ہاتھ دھو رہا تھا' اسی کیفیت میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں تھو تھو کریں گے؟" ماں جی کو غصہ آگیا۔

"پتر کو آج تک خط تو لکھنا نہیں آیا۔ ماں چلی ہے مٹھائی بانٹنے۔"

وہ مسکرا کر سیدھا ہو گیا' وہ پھر مدھانی چلانے لگی تھی۔

"رب سوہنا خیر کرے۔ کیوں نہیں آتا خط لکھنا۔ لکھوا کے دیکھ لے بے شک کوئی۔" ماں جی اس بات سے ناواقف تھیں۔

"وعدہ خلافی کے ساتھ رب سوہنا خیر نہیں کرتا۔" وہ مدھانی چھوڑ کر بھینسوں کے تھان کی طرف چلی گئی اور چارہ الٹ پلٹ کرنے لگی۔

وہ ماں کے پلو سے ہاتھ منہ پونچھ کر اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

"تیرے جیسی کو کسی نے خط ہی نہیں لکھا' پھر بھلا وہ کیا جواب دیتا۔"

"ماں جی نے پورے دس خط مجھ سے لکھوا کر بھیجے تھے۔"

"مگر اس میں ایک بھی خط خاص نہیں تھا۔" وہ اس کے جھمکوں کی طرف دیکھ رہا تھا' جو ابھی کچھ دیر قبل مدھانی چلانے کے ساتھ ساتھ ہل رہے تھے۔ زہرہ کی توجہ چارے کی طرف تھی۔

وہ ابھی کچھ اور بات کرتا کہ ماں جی نے آواز دے دی۔

"جہاں داد پتر! روٹی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

وہ ماں جی کی طرف آگیا۔

"آج سردی بہت زیادہ ہے' دھیئے! میرے لیے پیٹی میں سے لحاف نکال دے۔"

"میں بروکیڈ کا لحاف نہیں اوڑھوں گا۔" وہ کھانا کھا رہا تھا لقمہ روک کر بولا۔

"لے آنا پھر اپنے لیے شہر سے [illegible]"

اکبر ملک کو ناگوار گزرا۔

"تو پچھلے برس وہ کمبل لے کر تو آیا تھا ناں۔"

"وہ تیری ماں نے اپنی بہنوں کو دے دیے۔"

"پتر یہاں کی سردی کمبلوں سے نہیں جاتی، کے تو تیرے پیو کا کمبل رکھا ہے وہ لے لا۔"

ماں' باپ بیٹے کے درمیان مفاہمت سے [illegible] باپ کی طرح اسے باپ کا کمبل بھی سخت اور کھردرا محسوس ہوا' کسی بھی قسم کی نرماہٹ و گرماہٹ سے عاری۔

"سو جاؤں گا میں ایسے ہی۔" روکھا سا جواب دیا۔

"انگریزی پڑھ رہا ہے۔ انگلینڈ کے کمبل ہی پسند کرے گا' پاکستانی کمبل تو اسے گدھے کی کھال کی طرح لگتے ہیں۔" جہاں داد چپ چاپ لقمے چباتا رہا۔

زہرہ اپنے جہیز کا سب سے قیمتی لحاف نکال لائی اور لا کر چپ چاپ اس کے پاس رکھ دیا' شنیل کا میرون نرم و ملائم لحاف' کسی امپورٹڈ کمبل کی طرح لگ رہا تھا۔

"یہ تو نہیں کاٹے گا تمہیں بروکیڈ کی طرح۔" اس نے اپنی نرم مسکراہٹ سے پوچھا۔ جہاں داد کا لقمہ رک گیا۔

"یہ کیوں لے آئی؟ یہ تو تیرے جہیز کی چیز تھی۔" ماں جی کو بے حد افسوس ہوا۔

"لے جا دھیئے اسے' یہ تو میرے دلدار کی نشانی ہے۔"

اکبر ملک' جو ابھی بیٹے پہ گرج برس رہا تھا یک لخت ہی رنجیدہ دکھائی دینے لگا۔

"جب انسان ہی نہیں رہے تو پھر نشانیوں کا کیا ہے بابا!" وہ لحاف رکھ کر رسوئی میں چلی گئی۔ بہت دیر تک ماحول پہ افسردگی چھائی رہی۔

رات جب وہ سونے کے لیے بستر پہ لیٹا تو لحاف

اپنے اوپر پھیلا لیا۔ لحاف میں ایک عجیب طرح کی خوشبو تھی۔ ایسی جیسی نئی دلہنوں میں سے آتی ہے۔ اس نے وہ لحاف اپنے اوپر سے ہٹا دیا۔ جیسے اس پہ بچھو رینگنے لگے ہوں۔

بھائی کی جدائی کا دکھ اس پہ نئے سرے سے طاری ہو گیا۔ وہ سہرے کے پھولوں کے لیے اسے لینے گیا تھا اور پھر اس کا صرف وجود لوٹ کر آیا۔ ایک کار کے حادثے نے اسے سب سے دور کر دیا تھا۔

آج بھی وہ منظر یاد کر کے اس کا رواں رواں لوہے کی میخیں بن جاتا۔

بھرجائی کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اتری تھی۔ سہاگ کی چوڑیوں کے رنگ بھی ماند نہیں ہوئے تھے۔

سہرے کے پھول جو اماں نے پیٹی میں رکھ دیے تھے۔ وہ بھی ابھی تازہ تھے جب بھرا (بھائی) کے جنازے پہ پھولوں کی چادر ڈالی گئی تھی۔

ان کے بعد گھر میں جیسے ہر وقت دھول اڑنے لگی تھی۔

پھر رفتہ رفتہ سب کچھ اپنی جگہ پہ آ گیا۔ مگر بھائی کی کمی کوئی بھی پوری نہیں کر سکا۔ اس نے یہاں آنا بہت کم کر دیا۔

یہی فرار باپ بیٹے کے درمیان نفرت کی خلیج بن گیا۔

دلدار گیارہ پنڈوں کا سرپنچ تھا۔

بابا چاہتے تھے دلدار کے اس سانحے کے بعد اس گھر کی عظمت ویسے ہی برقرار رہے اور چھوٹا بیٹا یہ گدی سنبھالے اور ان کاموں میں دلچسپی لے لیکن جہاں داد کو ان روایتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

بھرجائی جوان تھی۔ اس کے بارے میں کسی نے نہیں سوچا تھا۔

بابا کو اس کی دستار بندی کی فکر تھی لیکن اس کی عدم دلچسپی دیکھتے ہوئے یہ عہدہ ان کے شریکوں کے پاس چلا گیا۔ اکبر ملک کو اس بات کی بہت دکھن تھی۔

ایک روز اسے پتا چلا کہ بھرجائی تا عمر ایسے ہی بیوگی کی چادر میں لپٹی رہے گی کیونکہ وہ ایک عام آدمی کی بیوہ نہیں تھی جو دوبارہ بیاہی جاتی۔ ایک ولی عہد کی تھی۔

جس کی تعظیم سب پہ لازم تھی۔ مگر اس سے نکاح کے بارے میں کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ ایسی صورت میں سنگسار کر دیا جاتا۔ وہ بہت عرصے تک دکھی رہا۔ آخر ایسا کیوں ہے۔ بھرجائی پہاڑ جیسی زندگی تنہا کیسے گزارے گی۔

یہی ہمدردی نجانے کب محبت میں تبدیل ہو گئی وہ اس سے گہرا لگاؤ محسوس کرنے لگا تھا۔

شباب کی منزل میں قدم رکھا تو اس سے کسی قسم کی لگاوٹ کا اظہار کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہونے لگی۔ بچپن کی وہ بے تکلفی جو دونوں کے درمیان تھی۔ سب ختم ہو گئی۔

گاؤں آنے سے بھی وحشت ہونے لگی۔ زندگی کے کتنے ہی دن، کتنی ہی راتیں اپنے آپ سے الجھتے لڑتے، جھگڑتے گزار دیں۔ مگر دل کی بے قراری کو قرار نہیں آیا۔ کوئی مناسب حل، کوئی جواب نہیں ملا تو خود کو پڑھائی میں منہمک کر لیا۔

تعلیمی مدارج طے کرتے کرتے شعور کے در وا ہوئے۔ شدتوں میں کمی واقع ہوئی۔ دل کو سمجھانے کا ڈھنگ آ گیا۔ مگر یہ محض وقتی بہلاوے تھے۔

جس روز اسے ادراک ہوا کہ یہ پابندی کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتی محض گاؤں والوں کی خودساختہ روایت ہے۔ دل سرشاری سے جھوم اٹھا۔

والدین کے سامنے ابھی آواز اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔ البتہ اس کو آزادی کا احساس دلانے کی کوشش کی جو بنا جرم ہی عمر قید کی سزا کاٹنے کو تیار تھی۔

"بھرجائی تو کام بہت کرتی ہے۔"

وہ گھاس سے سرکنڈے علیحدہ کر رہی تھی وہیں ہاتھ رک گئے۔

"یہ بھی بھلا کوئی کام ہے۔" مسکرا کر جواب دیا۔

"تو تھکتی نہیں روزانہ یہی کام کر کر کے۔" وہ اکتا گیا۔

"بالکل بھی نہیں۔"

"بیکسی ہے تو ..." اس نے افسوس سے زہرہ کی طرف دیکھا۔ "زندگی جس جھونپڑی کی طرح ہو ایک کھونٹے سے بندھ کر رہ گئی ہے۔"

زہرہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تجھے کس نے کہا میں بندھی ہوئی ہوں۔"

"بندھی تو ہوئی ہے ورنہ اب بھی کیا تیرا یہ گھر میں؟"

"تو تو کیا چاہتا ہے۔ چلی جاؤں یہاں سے؟" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا بھرجائی۔" وہ نادم ہو گیا۔

"تو پھر کیا مطلب تھا تیرا؟"

"میرا مطلب یہ تھا بھرجائی اگر تو بہت اکیلی رہ گئی ہے۔"

"تنہا تو ہوں مگر ماں جی اور بابا جی میرے پاس۔" اس نے بتلا دیا۔

"جب وہ نہیں ہوں گے تو؟" اس نے الجھے لہجے میں پوچھا۔

زہرہ پھر چونکی۔ "اب بھی اللہ سائیں ہے۔ تب بھی اللہ وارث ہو گا۔"

"لیکن اسی اللہ سائیں کا حکم ہے۔ عورت اگر جوانی میں بیوہ ہو جائے تو عدت کی پوری کرنے کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہے۔"

زہرہ نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں جانتی ہوں۔" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"تو پھر تم دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟"

زہرہ کے چہرے پہ ناگواری پھیل گئی۔

"اب تو تو نے کہہ دیا ہے ایسا لیکن آئندہ ایسا مت کہنا۔"

[illegible]

جھلس گیا۔

"کیا اب تیرا کوئی [illegible] میرے گھر [illegible] ہے۔" [illegible] نے حیرت سے زہرہ کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ میرے سوال کا جواب ہے؟"

[illegible]

وہ [illegible] جھگڑے [illegible]

[illegible]

* * *

[illegible]

پہنچ رہی تھی۔

"شکر الحمد اللہ۔" ماں جی نے ہاتھ بلند کیے۔

"جلدی سے فارغ ہو جا بیٹا! یہاں سے تجھے تیرے سر پہ سہرا سجانے کا۔ میرا دلدار تو مجھے دھوکا دے کر چلا گیا۔ اب تو عرصہ ہوا اس گھر میں کوئی خوشی نہیں آئی۔ دلدار ہوتا تو اس آنگن میں پھول ہی پھول مہک رہے ہوتے۔ اب تو جیسے ہر چیز اجاڑ ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک ہی نشانی ہے اس کی جسے سینے سے لگائے بیٹھی ہوں۔"

ماں جی آبدیدہ ہو کر زہرہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

زہرہ ہاتھ دھو کر ماں جی کے پاس آ گئی۔

ماں جی متواتر رو رہی تھیں۔ لیکن اس کی آنکھوں میں نہ کوئی تاثر تھا نہ ہی کوئی اشک۔ وہ چپ چاپ ماں جی کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی۔ جیسے پتھرا گئی ہو۔ وہ اٹھ کر اندر کمرے میں چلا گیا۔

اس بار جب وہ آیا تو اس میں ایک نئی تبدیلی تھی، جسے زہرہ صاف محسوس کر سکتی تھی۔ یعنی باپ بیٹے کے تعلقات خوشگوار جا رہے تھے حالانکہ باپ بیٹے کے تعلقات بہت عرصے سے وہ سرد ہی دیکھتی آ رہی تھی۔ اکبر ہمیشہ بیٹے سے نالاں ہی رہتا۔

جہاں داد کو خود باپ کی ناراضگی سے کچھ سروکار نہ تھا۔

ماں کی گود میں سر رکھ کر آج بھی سو جاتا۔ مگر باپ کے ساتھ اس کی چارپائی پہ کبھی نہ بیٹھتا۔

اکبر علی بیٹے کی اس حرکت پر اندر ہی اندر کڑھتا رہتا۔

سوکھے اپلے لے کر زہرہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اس نے بڑے اچنبھے سے جہاں داد کو دیکھا جو باپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔

اکبر علی لیٹا ہوا حقہ گڑگڑا رہا تھا ساتھ ساتھ کوئی قصہ بھی سناتا جا رہا تھا۔

جسے جہاں داد بہت خوش ہو کر سن رہا تھا، حالانکہ وہ کبھی باپ کی کسی بات پہ خوش نہیں ہوتا تھا زہرہ کے چہرے پہ معنی خیز تبسم بکھر گیا۔ وہ دوپٹہ دانتوں میں دبائے چپ چاپ نیچے اتر آئی۔

"زہرہ پتر! ذرا چلم تو گرم کر دے۔" اکبر نے اسے آواز دی۔

زہرہ ابھی صحن میں آئی تھی کہ جہاں داد چلم گرم کرنے کے لیے خود اٹھ گیا۔

"دھیان سے پتر! ہاتھ نہ جلا لینا۔" اسے چلم اٹھاتے دیکھ کر ماں نے دور سے کہا۔

وہ چلم لے کر رسوئی میں چلا گیا۔ مگر یہ بڑا اچنبھا ہوا تھا جسے زہرہ کے چہرے سے ایک عجیب ملال کر رہی تھی۔

"کتنی دیر میں آگ جلے گی؟"

زہرہ نے مسکرا کر اس کے ہاتھ میں چلم دیکھی۔ پھر ہنس کر سر جھکا لیا۔

"بابا سے کہو ابھی دیر لگے گی انتظار کرے۔"

"تو ہنس کیوں رہی ہے؟" اس نے گھور کر زہرہ کو دیکھا۔

"تجھے اعتراض ہے کیا؟"

"ہاں۔" وہ چلم بیچ کر وہیں بیٹھ گیا۔

زہرہ پھر ہنس پڑی۔ پھر پھونکنی سے چولہے میں پھونک مارتے ہوئے بولی۔

"باہر جا کر بیٹھ۔ لکڑی گیلی ہے دھواں اٹھے گا تو تو رونے لگ جائے گا۔ پھر دلدار کی طرح بابا بھی یہی سمجھے گا کہ میں نے تجھے مارا ہو گا۔"

جہاں داد حیرت سے زہرہ کی صورت دیکھنے لگا جو اسے بچپن کی بات سے آگاہ کر رہی تھی۔ وہ دانستہ ایسا کر رہی تھی۔ یا لاشعوری طور پہ اس کے منہ سے پھسلا تھا۔ وہ الجھ گیا۔ تھوڑی سی ندامت ہوئی۔ (مگر اب اس میں ندامت کا کیا سوال بھرا مر چکا ہے۔ اگر بھرا زندہ ہوتا۔ تو میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب بھرا نہیں ہے۔ تو کیا کوئی بھی کچھ نہیں سوچے گا۔؟)

زہرہ نے آگ سلگا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں دھوئیں سے لمحے میں سرخ ہو گئی تھیں اور پانی آنے لگا تھا۔

زہرہ کو وہ چھوٹا سا گول مٹول سا بچہ یاد آ گیا جو اس کے پہلو سے لگ کر یونہی بیٹھا رہتا تھا۔ اس کے

کاموں میں دخل اندازی کرتا رہتا۔ کبھی بھاڑو کے بھٹے چولہے میں جلا کر گول گول گھماتا اور کبھی جلتی لکڑی نکال لیتا۔ وہ اسے ڈانٹتی اور پھر اس سے جھٹکے لے کر پانی میں ڈال دیتی۔ اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں صاف کرتی اور اسے اپنی گود میں لٹا لیتی۔ اب بھی اس کا چہرہ آگ کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں پانیوں سے بھر رہی تھیں۔ زہرو نے اس کے ہاتھ سے چلم لے لی پھر اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں پونچھ دیں۔ اس کے اس اچانک عمل پہ جہاں داد کو جیسے کرنٹ لگا۔

"جا جا کر باہر بیٹھ۔ میں آگ لے کر آ رہی ہوں۔" اس نے ہمیشہ کی طرح بڑے پن سے کہا اور آگ سلگانے لگی۔

جہاں داد اٹھ کر باہر آ گیا۔ لیکن اس کا تن اس لمس سے لمحوں میں دہک اٹھا تھا کسی آتش جوالا کی طرح۔ کیسی آگ تھی وہ جو اس کے تن بدن میں آج تک سلگ رہی تھی۔

لیکن زہرو اس آنچ سے بے خبر تھی اور جب وہ خبردار ہوئی تھی تب۔۔۔

اچانک ننھا آگ کا شعلہ اس کی انگلیوں پہ لگا تو وہ چونک پڑا۔ سوچوں کے گرداب میں اتنا منہمک تھا کہ سگریٹ کے ختم ہونے کا پتا ہی نہیں چلا۔ قریب تھا کہ ہونٹ جل جاتے اس نے وہ سگریٹ پھینک دیا۔

اور نیا سگریٹ جلانے لگا۔

اسی لمحے قریب سے زہرو کی آواز آئی۔

"تیری بھی عجیب عادت ہے۔ سگریٹ پہ سگریٹ پیتا چلا جاتا ہے۔ ابھی ایک کا تو دھواں دل سے نکلنے دے۔ اتنا آرام تو بجھنے والا بھی اپنی چمنی کو دے دیتا ہے۔"

وہ ماچس کی تیلی بجھاتے ہوئے ہنس پڑا۔ پھر ایک گہرا کش لگایا اور بہت سارا دھواں فضا میں چھوڑ دیا۔ فضا میں زہرو کی صورت بننے لگی۔ جو ناراضگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"بچپن سے تجھے آگ سے کھیلنے کا شوق تھا۔ اب یہ آگ ہونٹوں سے لگا لی۔ کیوں پیتا ہے تو اتنی سگریٹ؟"

وہ تلخی سے ہنس پڑا اور دھوئیں کے بادل فضا میں بنانے لگا۔

"جس بات کا جواب نہ دینا ہو تاں تجھے تو یونہی دانت دکھانے لگتا ہے۔" زہرو کے لفظ سماعتوں میں گونج رہے تھے۔

"بھلا کیا جواب دوں۔ بس اچھا لگتا ہے مجھے آگ سے کھیلنا۔" وہ خود سے ہمکلام ہوا۔

(تو بھی تو آگ ہی ہے ٹھنڈی راکھ میں چھپی ہوئی)

"میرے پاس جب بیٹھا کر تو اس منحوس کو مت جلایا کر۔ زہر لگتی ہے مجھے اس کی بو۔ چھوٹا تھا تو تجھے جس چیز سے روکتی تھی رک جاتا تھا۔ اب تو دھکا بھی نہیں سکتی۔" زہرو نے ناک پہ دوپٹہ رکھا۔

"اب بھی روک کر دیکھ لے شاید رک جاؤں۔"

"ہونہہ ایسا ہی بھلا ہے تو۔ کب سے اماں جی شادی پہ اصرار کر رہی ہیں۔ دس لڑکیاں تیرے لیے دیکھ آئی ہوں۔ میرے کہنے پہ ایک پہ بھی راضی نہیں ہوا۔ یہ چھوڑے گا۔ ایسا بھی مان نہیں ہے مجھے تجھ پہ۔"

جہاں داد جلتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں نہیں ہے تجھے مجھ پہ مان؟"

ساگ کاٹتے ہوئے زہرو کے ہاتھ رک گئے' وہ شکوے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا' وہ مسکرا دی۔ پھر پیار سے بولی۔

"ناراض ہو گیا؟"

"کبھی تو نے لائق سمجھا ہے مجھے اس بات کے؟" وہ اینٹھا۔

"کیا مطلب؟" زہرو ہنس پڑی مگر کچھ نہیں۔

"ہمیشہ تو ڈانٹتی رہتی ہے۔"

"کیا کروں۔ بچپن سے عادت جو ہے تجھے ڈانٹنے کی اب چھوٹتی نہیں۔"

"مگر اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔"

"لیکن میرے لیے تو اتنا سا ہی ہے۔" اس کے انداز میں بڑا اپنا پن تھا۔

"خود کو بڑی اماں سمجھتی ہے۔" وہ جل کر بڑبڑایا۔

"...باتوں میں ... وہ انگریزی ... دیکھ رہی ہے
ابھی ... بڑی اچھی ہے۔"
"یہ تو ہو گیا ... کہ وہی اس شادی
کر کے اماں کو بھی ... ادا ہو گا۔ میں بھی دوبارہ
بچھونا داران کروں گی۔"
"تیرا کرانے والا سلامت ہے۔ مگر تیرا ران
کرنے کی ... میں ہی چاہئے۔"
کام کرتے کرتے زہرہ کے ہاتھ رک گئے۔ وہ
مصیبوں میں ساگ پکڑے بیٹھا تھا۔ اسے جیسے اپنی ہی
بات پہ اس کا سر جھک گیا ہو۔ زہرہ نے اس کے معصوم
چہرے پہ نگاہ ڈالی اور کچھ بھی اندازہ نہ لگا سکی۔
"سوہنا رب تجھے ... سلامت رکھے۔ میرے بھی
ویروں کو سلامت رکھے۔ تمہارے صدقے سے
تمہارے دشمن ... بھی ہیں۔ عورت کا مان تو اس کی
ہو جاتا ہے ... میں جو اس کی خدمت
کرتی رہے۔ رب سوہنا میرے بادشاہوں کو بھی سے
خوش رکھے۔"
"عورت کا بس ایک ہی بادشاہ ہوتا ہے جو اس کی
بات کاٹ کر جو وہ رہے تو ہاتھوں کی خدمت چاہے
وہ کتنی بھی کرے۔ بے مول لونڈی ہی کہلاتی ہے۔"
وہ ساگ کی "مبولی" (سنوارا ہوا ساگ) رکھ کر وہاں
سے اٹھ گیا۔ زہرہ حیرانی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی
بات نے اسے بری طرح چونکا دیا تھا۔
اس کی بات سے گہرا دکھ ہوا۔ نجانے وہ کیا جتانا
چاہتا تھا سمجھ نہیں پائی اور دو روز تک اس سے نہیں
بولی۔
تیسرے روز شام کو وہ سب کے بستر لگا کر فارغ ہوئی
تو اس کے پلنگ کی ادوائن ڈھیلی محسوس ہوئی۔ بستر اٹھا
کر اس کا پلنگ کسنے لگی۔ جانتی تھی کہ اسے سخت
ترین پلنگ پہ سونے کی عادت ہے۔ ذرا سا بان ڈھیلا
ہو جائے تو شور مچانے لگ جاتا ہے۔ کتنا واقف تھی وہ
اس کی ایک ایک بات سے۔ اور کتنا خیال رکھتی تھی
اس کا۔ لیکن وہ تھا کہ ایک لمحے میں اس کا جگر چھلنی
کر جاتا۔ کیوں کرتا ہے وہ ایسی باتیں۔
وہ افسردگی سے سوچوں میں غرق پلنگ کی رسیاں
کھینچ رہی تھی اسی لیے جہاں داد کب آیا پتہ نہ
ہوا۔ ایک پاؤں پلنگ کی پٹی پہ رکھے وہ بڑی
جانے وہ مستعدی سے اپنے کام میں مصروف تھی
آہستہ سے نگاہ اٹھا کر دیکھا چہرے کے تاثرات ...
پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ جہاں داد نے
اس کے چہرے کو دیکھا۔ پھر اس کے پاس آ کر کھڑا
ہو گیا۔
"ناراض ہو مجھ سے؟"
وہ کچھ نہیں بولی غصے سے رسیاں کھینچتی رہی۔
جہاں داد نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"یہ پلنگ ایک جاٹ کا ہے۔ جو اس پہ سوتا نہیں
رنگ بھی جماتا ہے۔ یہ نازک ہاتھ بھلا اسے کب تک
کسیں گے۔"
زہرہ نے تیر سے اس کی طرف دیکھا۔ جہاں تھا
معصوم بچہ نہیں تھا۔
اونچا لمبا چوڑا۔ مکمل مرد۔ مقابل کھڑا تھا۔
اس کے دیکھنے کا انداز کلائی پکڑنے کی جرأت
لفظوں کا ہیر پھیر۔
زہرہ لمحوں میں اس ننھے معصوم بچے کی جوان ہوتی
امنگوں سے واقف ہو گئی۔
جھٹک کر کلائی چھڑائی۔ اس کی سابقہ باتوں کا مفہوم
اب سمجھ میں آیا تھا۔
"اس جاٹ کو ان ہی نازک ہاتھوں نے اپنی گود میں
پالا پوسا ہے۔ جوان کیا ہے۔"
نجانے اس نے کیا جتانے کی کوشش کی تھی۔
جہاں داد سکون سے اس کے مشتعل ہوتے چہرے اور
نگاہوں کی طرف دیکھتا رہا۔ زہرہ بھڑک گئی۔ اس کے
انداز میں۔ کسی بھی قسم کی ندامت و شرمندگی نہیں
تھی۔
"تمہاری انگریزی تعلیم نے تجھے یہ ادب سکھلایا ہے؟"
اس کی رگوں میں خون لاوے کی طرح دوڑنے لگا۔
"ماں جیسی ہوں میں تیری۔ سنا تو نے؟"
وہ سینے پہ ہاتھ باندھے بطور دلچسپی سے اسے دیکھ رہا
تھا۔
"اتنا سا تھا تو اتنا سا۔" اس نے زمین کی طرف

چلی گئی۔ "اب میں اس گھر میں آئی تھی۔ آج تو میری طرف اس نگاہ سے دیکھے گا۔ بلکہ میں نے تجھے اپنی اولاد کی طرح سمجھا۔"

جہاں داد نے تلملا کر اس کی بات کاٹ دی۔

"اتنا نہیں تھا میں۔ آٹھ سال کا تھا۔ اور تو... تو سولہ سال کی بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی۔ صرف آٹھ سال ہی کا تو فرق ہے تیری اور میری عمر میں۔"

زہرہ متوحش سی اسے دیکھتی رہی۔ پھر بہت دیر کے بعد بولی۔

"کیوں سوچی تو نے ایسی بات؟"

"اس لیے کہ یہ تیرا حق ہے۔"

"پھر زندگی کی چادر ڈالنا چاہتا ہے مجھ پہ؟" جہاں داد نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر دیکھتا ہی رہا۔

"محبت ہے مجھے تجھ سے۔"

اسے امید تھی کہ زہرہ اب پوری قوت سے اس کے منہ پہ طمانچہ دے مارے گی۔

لیکن زہرہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

اور پھر اچانک ہنس پڑی۔

"پاگل!" وہ سر جھٹک کر مسکرائی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ جہاں داد اس کی کیفیت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکا۔ اور بے چین سا اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا۔

وہ رسوئی میں چلی گئی۔ وہ دروازے میں اڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"میری بات سنو زہرہ!"

زہرہ مٹکے سے پانی نکال رہی تھی۔ ایڑیوں کے بل گھوم گئی۔ غصے، نفرت، ناراضگی سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن بے حد رسان سے تادیبی لہجے میں بولی۔

"بھرجائی ہوں میں تیری۔"

"بھرا مر چکا ہے۔ انیس سال سے تو بیوگی کی زندگی اس گھر میں گزار رہی ہے۔ کیا مل رہا ہے تجھے ایسی زندگی گزار کر۔ زندگی پہ تیرا بھی کچھ حق ہے۔ اسے استعمال کر۔ غلط مت سمجھ مجھے۔" وہ بھڑک گیا۔

زہرہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئی اور پھر بولی۔

"اگر اللہ داد زندہ ہوتا تو میں تیرا منہ نوچ لیتی۔" زہرہ کے انداز میں نفرت ہی نفرت تھی۔

"بھرا اگر زندہ ہوتا تو میں تجھے ماں کی طرح سمجھتا۔ تیرے بارے میں ایسا کیوں سوچتا۔ مگر اب وہ حالات ہیں وہ پہر اور ہیں۔ یہی سچ ہے۔ یہی حقیقت ہے۔ تو سمجھنا نہیں چاہتی۔ جہاد کر رہی ہے تو اپنی زندگی سے۔ ساری عمر اس طرح کیسے گزرے گی۔ ذرا سوچ۔"

وہ جذباتی ہونے لگا۔ مگر زہرہ پر سکون تھی۔

"جب میں نے جوانی میں یہ قدم نہیں اٹھایا تو اب تو سمجھتا ہے اس ڈھلتی عمر میں یہ قدم اٹھاؤں گی۔ شرم کر۔" وہ غرائی۔

"کتنی عمر ہے تیری۔ زیادہ سے زیادہ پینتیس سال۔ خدا نے صورت اتنی اچھی دی ہے کہ اپنی عمر سے کئی گنا کم اور معصوم لگتی ہے۔ گاؤں کی عورتوں کی طرح بے ڈول جسم نہیں ہے تیرا۔ اس خوبصورت عمر کو تو ڈھلتی جوانی کہتی ہے؟"

اس کے تعریف کرنے کے انداز پہ زہرہ کے اندر آگ سی بھر گئی۔ لیکن اس نے کمال ضبط سے کام لیا۔

"غلطی تیری نہیں میری ہے۔ تجھ سے پردہ کرنا میرا شرعی حق تھا۔ لیکن میں نے تجھ سے پردہ نہیں کیا۔ میری بے حجابی کی یہی سزا ہونا چاہیے تھی۔" شدید تاسف سے اس کی آواز رندھ گئی۔

جہاں داد تڑپ گیا۔

"کس طرح سمجھاؤں۔ کس طرح سمجھاؤں میں تجھے۔ مجھے غلط مت سمجھ۔"

"چلا جا تو یہاں سے۔ شرم آنے لگی ہے مجھے اپنے آپ سے۔" زہرہ منہ موڑ کے بیٹھ گئی اور چہرہ گود میں چھپا کر رونے لگی۔ جہاں داد کتنی لمحے احساس جرم میں مبتلا اسے سسکتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

کئی روز کے بعد آیا تو زہرہ کے انداز پہ اسے عجیب الجھن ہونے لگی۔

جب یہاں سے گیا تھا تو زہرہ کے رونے میں

ناگواری اور نفرت تھی۔ امید تھی کہ اس کا رویہ سابقہ ہو گا۔ لیکن وہ بالکل عام سے انداز میں اس سے ملی۔ جیسے وہ کچھ بات کر کے ہی نہ گیا ہو۔ اس کی ہر بات کا خیال رکھنا۔ وجہ بے وجہ اسے ٹوکنا غرض اس کے انداز میں بھی معمول کا برتاؤ ہی تھا۔

جو جہاں داد کے لیے چڑ کا باعث بنتا جا رہا تھا۔

"اماں بابا شادی کے لیے بہت اصرار کر رہے ہیں۔" وہ اکھڑے اکھڑے سے انداز میں اس سے مخاطب تھا۔ زہرہ مشین پر کچھ ازار بند بنا رہی تھی۔

"تو پھر ہاں کیوں نہیں کر دیتے؟" وہ "ٹکانے" سے ٹانکے بناتے ہوئے بولی۔

وہ اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔

"پچھلی بار میں نے تم سے کوئی بات کی تھی۔" وہ بہت قریب سے اس کے احساسات دیکھنا چاہتا تھا۔

"تو مجھے بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔" وہ اپنے کام میں مگن تھی۔ انداز میں ناگواری، سختی، تحکم کچھ بھی نہیں تھا۔

جہاں داد کا حوصلہ بڑھا۔

"زہرہ!" اس نے آہستہ سے پکارا۔

"ہوں!" اس نے متعجب انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ نام لے رہا تب بھی نہیں بگڑی تھی۔

"زہرہ!" شک کو یقین میں بدلنا چاہا۔

"سن رہی ہوں۔" انداز بے حد مصروف تھا۔

"تمہیں اعتراض نہیں میں تمہارا نام لے رہا ہوں؟"

"میں نے کہا ہے نا، میری کمی بڑا ہونا چاہیے تھی۔ رکھوالا مر جائے تو قیمتی سے قیمتی مال بھی مال غنیمت بن جاتا ہے۔ شاید تو بھی مجھے مال غنیمت ہی سمجھتا ہے۔"

جہاں داد کا چہرہ تذلیل کے احساس سے سرخ ہو گیا۔

"کیوں غلط سمجھتی ہے اتنا غلط مجھے۔ کیوں؟ کبھی تیری عزت میں کمی کی میں نے۔ غیریت کا احساس دلایا تجھے کبھی میں نے۔ کبھی بدلحاظی نہیں کی۔ ہمیشہ سر جھکا کر بات کی تجھ سے۔ لیکن تب بھی میرے دل میں تیری محبت تھی۔ اور اب بھی اس دل میں ... اب یہ زبان تیرے سامنے اظہار کر ... جذباتی ہونے لگا۔

زہرہ نے بات کاٹ دی۔

"پہلے تو میری عزت کرتا تھا اب تجھے محبت ہو گئی۔ کتنی عجیب بات ہے۔ جب عزت کرتا تھا تب کیا تجھے مجھ سے محبت نہیں تھی؟ محبت ہوئی تو تو نے عزت و لحاظ بالائے طاق رکھ دیا۔ محبت آدمی کی توقیر میں اضافہ کرتی ہے۔ کمی نہیں کرتی ہے۔"

"تیری توقیر میں اضافہ ہی تو کرنا چاہتا ہوں۔"

زہرہ استہزائیہ مسکرا دی۔ پھر گہری سنجیدگی سے بولی۔

"بات محبت یا توقیر کی نہیں ہے۔ اس عمر کے ساتھ کی ہے جو ہم نے ایک ساتھ گزاری۔ میں اس آنگن میں لگی ایک ہری بھری بیل تھی جسے تو بچپن سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو اس کی چھاؤں میں کھیلتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ تو اس چھتنار کا اس قدر عادی ہوا کہ اس سے غلط توقعات وابستہ کر بیٹھا۔ اس میں تیرا قصور نہیں تیری عمر کا قصور ہے۔ اب بھی یہ چھتنار تجھ پر یونہی سایہ فگن ہے مگر تیرے تقاضے بدل رہے ہیں۔ اس بیل سے پرے بہت بڑی دنیا ہے۔ بڑی ہریالی ہے۔ جو تو نے نہیں دیکھی۔ جس وقت وہ سب دیکھ لے گا پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اسے محبت نہیں کہتے، وقتی جذبات کہتے ہیں۔ کیونکہ عمر کا ایک کڑا وقت میں نے طویل دھوپ میں جلا دیا ہے۔ میں جانتی ہوں یہ محض وقتی اور جذباتی باتیں ہیں۔ بہت دن کے بعد تجھے خود بھی ان باتوں پہ ہنسی آئے گی۔ ہو سکتا ہے شرم بھی آ جائے۔ اس لیے تو خود کو یوں مایوس نہ کر۔ اور کوئی اور راستہ اپنا لے۔"

"میں تجھے جھٹلا کر دکھاؤں گا کیونکہ میرے تمام راستے صرف تیری طرف آتے ہیں۔ میری منزل صرف ایک تو ہے۔ جس جذبے کو تو وقتی جذبات سمجھ رہی ہے وہ تیری بھول ہے۔ خود سے آنکھ مچولی کا کھیل تو بہت دیر تک نہیں کھیل سکتی آخر عورت ہے

بھی۔ اور تیرے بھی بہت سارے ارمان ہیں۔ تو خود کو ٹھیک ٹھاک کر سلا سکتی ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

زہرہ سر جھکا کر مسکرانے لگی۔

"تو میری باتوں کا مذاق اڑا رہی ہے۔"

"شکر کر۔ تیرے سر پہ جوتیاں مار کر وصول نہیں اڑا رہی۔" وہ اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔

جہاں داد سخت کبیدہ خاطر ہو کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں اماں بابا سے بات کروں گا۔" زہرہ ایک دم سناٹے میں آ گئی۔

"اگر تو نے ایسا کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

"کیوں کیا ناجائز کر رہا ہوں میں۔۔؟"

"ہاں۔ یہ ناجائز ہے۔" زہرہ چلا پڑی۔ "میں ایک عام مرد کی بیوہ نہیں ہوں۔ جس کی ڈولی دوبارہ سجائی جائے۔ ایسے مرد کی بیوہ ہوں جو سب کے لیے باعث احترام تھا۔ کوئی میری برابری نہیں کر سکتا۔"

"سب جھوٹ ہے' بکواس ہے' ڈھونگ ہے۔ یہ حکم صرف پیغمبروں کی بیویوں کے لیے نازل ہوا تھا کہ ان کی۔۔ بیویاں تمام نبی کی قوم کے لیے باعث احترام ہیں۔ کوئی بھی ان سے شادی کا تصور نہ کرے۔ دلدار کوئی اللہ کا ولی یا پیر نہیں تھا۔ ایک عام آدمی تھا۔ اس کی بیوہ کسی کی بھی دوبارہ دلہن بن سکتی ہے۔ اور پھر میں تو اس کا بھائی ہوں۔ جائز حق دے رہا ہوں تجھے۔"

"بے غیرت' بے شرم' بے حجاب' تیری یہ جرأت تو گھر میں ہی ڈاکہ زنی کر رہا ہے۔"

اکبر ملک نجانے کب سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ پھر کر سامنے آیا تو دونوں ہی بھونچکا رہ گئے۔

"یہ سبق سیکھ کر آیا ہے تو شہر سے۔۔؟"

اکبر ملک نے مشتعل ہو کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

جہاں داد کو سنبھلنے میں کچھ دیر لگی۔

"بول بے غیرت۔" اکبر ملک نے بری طرح اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ اماں کے لیے خود یہ واردات بالکل نئی تھی۔

"بابا! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"بھاوج کو برائی پہ راغب کر رہا تھا' اب مجھے سمجھانے لگا۔" اکبر ملک نے پوری قوت سے تھپڑ اس کے منہ پہ دے مارا۔

جہاں داد دو قدم اچھل کر پیچھے جا گرا۔

اکبر ملک پہ وحشت سوار تھی۔ اماں تڑپ کر دونوں کے درمیان میں آ گئی۔

"جوان بچہ ہے۔ ہوش کر۔"

"سب تیری ڈھیل کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔"

"میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔"

"جس شخص نے گھر کی عزت ہی داغدار کرنا چاہی ہو اس سے کیا توقع رکھ سکتی ہے تو۔" اکبر ملک بیوی پہ غرایا۔

"بابا!" جہاں داد کی غیرت میں بھونچال آ گیا۔ "کیا بے غیرتی دکھائی ہے میں نے؟۔ کون سا قانون توڑا ہے۔ کیا کیا ہے شریعت کے خلاف' جو آپ مجھے اس طرح ذلیل کر رہے ہیں؟"

"یعنی ابھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ بھائی کی بیوہ پہ ہاتھ ڈال رہا ہے۔"

"بابا! لفظوں سے رشتوں کا احترام نہ ختم کریں۔"

"احترام سکھلائے گا مجھے' خود جو کر رہا ہے' وہ غیرت کو چار چاند لگا دینے والی بات ہے۔"

"ہاں ہے۔" جہاں داد چلا اٹھا۔ "بنے پھرتے ہیں غیرت مند۔ سب ڈھکوسلے اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اپنے اپنے مفاد کے چکر۔ کیا حق بنتا ہے آپ کا۔ ایک جوان لڑکی کو تا عمر بیوگی کی چادر میں بنا آس' بنا امید کے چوکھٹ پہ بٹھائے رکھنے کا۔؟"

"وہ ایک لڑکی نہیں ہے' بھتیجی ہے۔ بہو بنا کر لایا تھا اسے۔"

"مگر اب وہ بیوہ ہے۔ اور بیواؤں کے لیے۔۔۔"

"حکم نہیں ہے اس کے لیے۔"

اکبر ملک نے چلا کر بیٹے کی بات کاٹی۔

"کہاں سے آئے ہیں اس کے لیے حکم آسمان سے یا زمین اگلتی ہے۔"

"بکواس نہیں کر میرے سامنے۔"

"بکواس نہیں ہے۔ شریعت پڑھا رہا ہوں۔"

"یہ سب بے غیرتی کے سبق کسی اور کو پڑھا جا کے۔"
اکبر ملک آگے بڑھا۔ اماں درمیان میں آگئی۔
"کورک مجھے بات کرنے دے۔"
"کہہ دے اس سے دفع ہو جائے میری نظروں کے سامنے سے۔ کوئی بات نہیں کرنی مجھے اس سے۔"
"مگر مجھے کرنی ہے۔ میں تب تک یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ جب تک اس بات کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔"
"کیسے پھیر دوں گا تجھے۔ مگر میرے جیتے جی یہ نہیں ہو گا۔"
"جہاں داد پتر! خدا کے واسطے زبان بند کرلے' ورنہ کچھ ہو جائے گا۔" زرینہ اپنی طاقت سے زیادہ زور لگا کر اکبر ملک کو روک رہی تھی۔
جہاں داد عالم طیش میں کمرے سے باہر نکل گیا۔
زرینہ اکبر ملک کو چارپائی پہ بٹھانے میں کامیاب ہو گئی۔ کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ ایسے جیسے بڑا طوفان آکر گزر گیا ہو۔
زہرہ صدمے کی کیفیت میں دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ تیز تیز بولنے کی وجہ سے اکبر ملک کو کھانسی ہونے لگی' اماں بھی بری طرح سے ہانپ رہی تھی۔
زہرہ مرے مرے قدموں سے پانی لینے کے لیے کمرے سے باہر نکل گئی۔
گھر میں مرگ کا سا عالم تھا' سب اپنی اپنی ذات میں خود کو مجرم سمجھ رہے تھے' زہرہ نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔
دو دن عجیب یاسیت میں گزرے۔
تیسرے روز صبح ہی صبح چند آدمی اکبر ملک کے دروازے پہ آئے۔
لوگوں کا غیر معمولی ہجوم دیکھ کر اکبر ملک حیران رہ گیا۔
"کون لوگ ہیں آپ؟"
جہاں داد لوگوں کے پیچھے سے نکل کر باپ کے سامنے آگیا۔ "یہ شہر کے چار مفتی ہیں۔ یہ ضلع کا ڈی سی ہے۔ یہ وکیل صاحب۔"
اس نے باری باری سب کا تعارف کرایا۔
"باقی لوگ آپ کے علاقے کے ہیں۔" نام نہاد سر پنچ۔"
"تماشا دکھوانے آئے ہیں کیا تجھ سے؟" اکبر ملک کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ بس نہیں چلتا تھا بیٹے کو کھڑے کھڑے قتل کر دے۔
"فی الحال تو آپ کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے آئے ہیں۔ آپ جس طرح چاہیں ان سے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ قانونی اور شرعی ہر سوال کا جواب ان لوگوں کے پاس موجود ہے۔"
اکبر ملک کے علاقے کے لوگوں کے چہروں پہ عجیب تذبذب سا تھا۔ نام نہاد سر پنچ مارے باندھے کھڑے تھے۔
"میں نے کوئی فتویٰ نہیں لینا ان لوگوں سے۔" اکبر ملک بیٹے پہ غرایا۔
"لیکن ملک صاحب! یہ ایک شرعی نقطہ ہے جس میں آپ ترمیم یا اضافہ نہیں کر سکتے۔" چار مفتیوں میں سے ایک کرارا سا مولوی بولا۔
"اگر آپ جاہل ہیں اور لاعلم ہیں۔ تو ہم پہ فرض ہے کہ آپ کو راہ راست دکھائیں کیونکہ دین انسانوں کا بنایا ہوا قانون نہیں ہے۔ اس ذات کا فرمان ہے جس کی تعمیل و تعظیم ہم سب پہ لازم ہے' جسے اپنی طرف سے بڑھانا اور گھٹانا ہمیں زیب نہیں دیتا۔"
ایک اور مفتی نے رسان سے سمجھایا۔
"میرا خیال ہے ملک صاحب! یہ بات چیت اطمینان سے بیٹھ کر کی جائے۔ تو زیادہ بہتر ہو گا۔"
ڈی سی صاحب نے پہلی بار مداخلت کی۔
اکبر ملک دروازے کے آگے سے ہٹ گیا۔ جہاں داد نے سب لوگوں کو بیٹھک میں بٹھایا۔
سلسلہ کلام پھر سے شروع ہوا۔ لیکن اکبر ملک کوئی بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"یہ میرے گھر کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اسے یوں بلاوجہ اچھالنا پسند نہیں کروں گا۔"
"لیکن ملک صاحب! آپ کے بیٹے کا کہنا ہے' آپ کی طرح بہت سارے لوگ اس روایت پر عمل پیرا ہیں۔ آپ کو تفصیل سے اس معاملے سے آگاہ کیا جائے۔ تاکہ ان فرسودہ روایات کا خاتمہ ہو۔ اور جن

لوگوں کا [illegible] لیکن [illegible] جس [illegible] جب ان سے بھی
پوچھی نہ [illegible] جا سکے۔"

اکبر ملک [illegible] عالم وش بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔
"اگر تو آپ لوگ مجھے اس بات کے لیے قائل کرنے آئے ہیں کہ میں اس کی خواہش کے آگے سر جھکا دوں۔ تو اس معاملے میں قانون یا شریعت مجھ پہ کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتی۔ یہ معاملہ کنواری لڑکی کا نہیں ہے۔ ایک شادی شدہ عورت کا ہے۔ جو دوسری بار اپنی زندگی کا فیصلہ خود کر سکتی ہے۔ اس پہ کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ صرف اس کی اپنی خواہش ہے۔"

"یہ تو بعد کی بات ہے ملک صاحب کہ لڑکی کیا چاہتی ہے۔ فی الحال تو آپ اپنا قبلہ درست کیجئے اور جس شخص کو یہاں کی نمائندگی حاصل ہے۔ وہ اپنے لفظ اعتراض کی حمایت کرے۔"

سب لوگوں کو سانپ سونگھ گیا۔ اکبر ملک جز بز سا ہوتا رہا۔

بہت دیر تک یک طرفہ گفتگو ہوتی رہی۔ یعنی مفتی صاحبان وعظ کرتے رہے۔ گاؤں کے لوگ محفل پہ کنڈلی مارے بیٹھے رہے۔ اور یونہی محفل برخاست ہو گئی۔

اگلے ہی روز ڈی سی صاحب کی حمایت سے پورے گاؤں میں پمفلٹ تقسیم ہوئے۔ کسی بھی قسم کے بے سروپا قانون کی زد میں آیا کوئی بھی شخص بلا تخصیص قانون کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ قانون اس کی ہر ممکن مدد کرنے کو تیار تھا۔

گاؤں میں عجیب کھلبلی سی مچ گئی۔
سارے لوگوں کو اکبر ملک کے گھر کی کہانی کا علم ہو گیا۔ بیٹے نے باپ کو قانونی رسیوں میں جکڑ کر ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تھوڑی سی روشنی آنے سے بہت سارے طاقت ور حضرات کی طاقت کم ہو گئی۔

زہرہ کے باپ بھائیوں تک یہ خبر پہنچی تو ان کا غیرت مند خون جوش میں آ گیا۔ یہ بات انہیں کسی گالی سے کم نہیں لگی۔ بیٹی کا سہاگ اجڑنے کے اٹھارہ

آپ [illegible] کے بعد [illegible] گھر بسانے کا شوق سب پہ [illegible] زہرہ [illegible] ایک نصیحت میں [illegible]
گاؤں کی [illegible] عجیب باتیں اور اشارے اس کا جگر چھلنی کر دیتے۔ اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔
لیکن بدقسمتی نے گھر کی چوکھٹ نہیں چھوڑی۔

"کیوں تجھ پہ اتنی ضد چڑھی ہے کہ ہمیں ذلیل کرنے پہ تل گیا ہے۔ اپنا نہیں تو بوڑھی ماں کا ہی کچھ خیال کر۔ ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا ہے تیری ضد نے ہمیں۔"

زرینہ بیٹے کے سامنے گڑگڑا کر بولی۔
"اصل میں میں بتاتا ہوں۔ اس ضد کا سبب کیا ہے۔ زہرہ کو حاصل کر کے وہ اس کی دولت کا مالک بننا چاہتا ہے۔" اکبر ملک نے جلے دل کا پھپھولا پھوڑا۔
"بابا!" وہ بھڑک اٹھا۔ "آپ نے یہ بات سوچی بھی تو کیسے؟"
"تیرا جنون دیکھ کر۔ میرا خون اتنا گندہ نہیں تھا کہ میری بات نہ مانتا۔ لیکن دولت کی ہوس اچھے سے اچھے خون کو یونہی گندہ کر دیتی ہے۔ زہرہ اپنے ساتھ زمینوں کا بڑا حصہ لے کر آئی تھی۔ پھر دلدار کے حصے کی بھی یکہ مالک ہے۔ اس کے سامنے تجھے اپنا حصہ بہت تھوڑا لگ رہا ہے۔ ساری جائیداد کا مالک بننا چاہتا ہے تو اس لیے اسے اپنانے پہ مصر ہے۔"
باپ کی بات سن کر جہاں داد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
"مجھے آپ کی دولت جائیداد کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ جو تھوڑا بہت میرا حصہ ہے اسے بھی سنبھال کر رکھ لیجئے۔ مجھے ان چیزوں کی کوئی طلب نہیں۔ اپنے زور بازو سے سب کچھ حاصل کر سکتا ہوں۔ اور کر کے دکھاؤں گا۔"
اس کی جذباتی گفتگو پہ اکبر ملک طنزیہ مسکرایا۔
"آج تک پتر بولی بولی ہی کھائی ہے۔ جس روز کچھ کرنے نکلا عشق کے سارے بھوت اتر جائیں گے۔"

اور سوچے گا کہ کس عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ یہ کمو کمی آگریاں لے کر پھرے گا تو بے روزگاری کا دن مشکل ہو گا تیرے ہاتھ میں جن پہ تو اتنا ناز کر رہا ہے۔ پھر آئے گا میرے پاس گھٹنوں کے بل چل کر حصے مانگنے۔ اسی لیے ابھی اپنا حصہ لے کر میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جا تاکہ یہ فساد کی جڑ ہی ختم ہو جائے۔"

جہاں داد کو باپ کی بات کا بے حد افسوس ہوا۔ وہ گھٹنوں پہ زور دے کر عالم طیش میں کھڑا ہو گیا۔

"یہ نہیں کہوں گا کہ کبھی نہ آنے کے لیے یہاں سے جا رہا ہوں۔ آؤں گا اور ضرور آؤں گا لیکن حصہ مانگنے نہیں۔ ہاتھ مانگنے۔ اور تب آپ پہ یہ ثابت ہو جائے گا کہ مجھے کس چیز کی طلب ہے۔ دولت کی یا زہرہ کی۔"

اکبر ملک قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "جس وقت تک تیرے پاس پیسہ آئے گا' خرچ کرنے والی تب تک تیرے پاس آچکی ہو گی' اپنی محنت کی کمائی پہ تو مرد لیے بھی شیر ہوتا ہے۔ تجھے خود پتا چل جائے گا تو کتنا پارسا ہے تو۔" جہاں داد کو باپ کی بات گالی کی طرح لگی۔

"اگر میں ایسے ہی لوٹ آیا تو؟۔" جہاں داد نے باپ کو چیلنج کیا۔

"تو پھر یہ باپ بیٹے کے مابین پہلی شرط ہو گئی۔ کہ کون جیتتا ہے۔" اکبر ملک اپنی دور اندیشی پہ مسرور تھا۔

"جیتنے والے کو کیا ملے گا؟۔" جہاں داد نے چیلنج قبول کر لیا۔

اکبر ملک ایک لمحے کے لیے سٹپٹایا۔ اور پھر اپنی انا کو جیسے داؤ پہ لگا دیا۔

"اس کی ضد۔" اکبر ملک نے بڑے ٹھوس انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اپنا وعدہ یاد رکھنا۔" اور پھر وہ وہاں سے لوٹ آیا۔ باپ کو جھٹلانے کے لیے' اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ کتنا کھرا ہے۔

لیکن خود کو کھرا ثابت کرنا اتنا سہل نہیں تھا۔ چاروں طرف سے آزمائش ہی آزمائش تھی اور وہ اس آزمائش میں کود پڑا تھا۔ صرف محبت کے لیے۔

بہت عرصے تک اس واقعے [illegible]
لیکن ماننا [illegible] سکون سے [illegible]
چوری چھپے بیٹے کا پتا لگایا [illegible]
حیرت کے خط [illegible]
ہاں تھا۔ موٹر سائیکل پہلے سے [illegible]
لوہے کے چنے چبوا دیے تھے۔

ماں کا خط صحرا میں بارش [illegible]
کا احوال نہیں مجھ سکتا تھا۔ کاش [illegible]
جاتا۔ جس سے زندگی کا احساس ہونے لگتا۔ [illegible]
تند و تیز زندگی میں تھا ہی کیا۔ [illegible] مشقت اور مشقت۔

* * * *

صفدر نے دروازہ کھٹکھٹایا تو صبح کے [illegible] بج رہے تھے۔ اسے خود حیرت انگیز جھٹکا لگا کہ وہ اتنی دیر تک کیسے سوتا رہا۔ کسلمندی سے دروازہ کھولا تو صفدر تشویش سے پوچھنے لگا۔

"صاحب! طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟ آج اتنی دیر کر دی اٹھنے میں۔ کالج سے بھی دیر ہو گئی۔ فجر کے وقت میں آپ کا انتظار کرتا رہا کہ آپ مجھے جگانے آئیں گے لیکن نماز قضا ہو گئی اور آپ جگانے نہیں آئے۔ سو میں بھی دوبارہ سو گیا۔"

جہاں داد غسل خانے کی طرف جا رہا تھا۔ پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر چپ چاپ غسل خانے میں چلا گیا۔

نہا کر نکلا تو اتنی دیر میں صفدر اس کا کمرہ صاف کر کے ناشتا تیار کر چکا تھا۔

وہ معمول کے مطابق تیار ہوتا رہا۔

"صاحب! آج آپ نے رات کو سگریٹ بہت زیادہ پی ہے۔ اتنی سگریٹ پینا آپ کی صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔ کیا آپ کو بھی کوئی سگریٹ پینے سے منع نہیں کرتا تھا؟۔"

بال بناتے ہوئے جہاں داد کے ہاتھ رک گئے وہ خشک لہجے میں بولا۔

"بل جمع کرا دیے تم نے؟۔"

"جی۔ سو میں جمع کرا آیا تھا۔"

صاحب کا خشک انداز دیکھ کر صفدر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے میز سے ایک کارڈ اٹھایا۔ کارڈ ایک پرائیویٹ فرم کا تھا۔ جس کے مالک کو فیجنگ ڈائریکٹر کی ضرورت تھی۔ پرکشش نوکری کے ساتھ ساتھ رہائش کا بندوبست بھی تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ڈیوٹی پارٹ ٹائم تھی۔ جو وہ سہولت سے ادا کر سکتا تھا۔

قسمت آزمانے کے لیے اس نے وہ کارڈ اٹھایا اور اچھے مستقبل کی تلاش میں گھر سے نکل گیا۔

* * * *

"سر! آپ دو دن سے کالج نہیں آرہے تھے۔ ہم بے حد بور ہوئے۔" کلاس کے ایک لڑکے نے کہا۔

"پڑھنے والے بچے کتابوں سے دل لگاتے ہیں استادوں سے نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے رجسٹر کھول رہا تھا۔ ذوباریہ کو لگا جیسے یہ بات اس سے کی ہو۔

وہ جتانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چند استاد ہی ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں سر! جنھیں یہ مقام اور اپنے طالب علموں کا پیار ملتا ہے۔" کلاس نے گردنیں موڑ کر ذوباریہ کی طرف دیکھا۔

"اور ان چند خوش نصیبوں میں سے میں بھی ایک ہوں۔" جہاں داد نے برجستہ کہا۔ ذوباریہ استہزائیہ مسکرا کر بیٹھ گئی۔

Although the world is fullof wicked people but he is an interesting wicked man.

(ویسے تو دنیا کمینوں سے بھری پڑی ہے لیکن یہ ایک دلچسپ کمینہ ہے)

اس نے نوٹ بک پہ ریمارکس درج کیا۔ اور اپنی سہیلی کو دکھایا۔

ورشہ کے چہرے پہ تبسم بکھر گیا۔

جہاں داد نے اچٹتی سی غیر ارادی نگاہ دونوں پہ ڈالی۔

ورشہ نے وہی نوٹ بک دائیں طرف پاس کر دی۔ پھر پیچھے۔ پھر مزید آگے

"پلیز! اسٹینڈ اپ۔" پاسنگ ٹیم رک گئی۔

نوٹ بک صفیہ کے ہاتھ میں تھی۔

"یہ نوٹ بک یہاں رکھ جائیں۔"

صفیہ کے ساتھ ساتھ ورشہ کے چہرے پہ بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"سر! یہ میری نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں یہ کہاں سے چلی ہے۔ آپ سے جو کہا ہے آپ وہ کریں۔" اس کا انداز سخت تھا۔

صفیہ نے قابل رحم نگاہوں سے ذوباریہ کی طرف دیکھا۔ پھر چپ چاپ نوٹ بک روسٹرم پہ رکھ کر چلی گئی۔

جہاں داد نے ایک نگاہ تحریر پہ ڈالی۔

اس کی پیشانی پہ شکنیں ابھر آئیں۔ اس نے نوٹ بک بند کر کے روسٹرم پہ پٹخ دی۔

"مس ذوباریہ احمد! آپ کالج کی گولڈ میڈلسٹ طالبہ ہیں۔ لیکن کوئی بھی مقام جب تک رہتا ہے جب تک آدمی محنت کرتا ہے ان خرافات میں دلچسپی لینے سے بہتر ہے آپ پڑھائی پہ توجہ دیں۔"

ذوباریہ کو اس پہ سخت غصہ آیا۔

"سر! آپ نے بلاوجہ ہی میری نوٹ بک چیک کی ہے۔ اگر آپ پوری کلاس کی کاپیاں چیک کریں۔ تو آپ کو اس سے اعلیٰ ریمارکس پڑھنے کو ملیں گے اور یہ فارنیہ تو باقاعدہ آپ کے اسکیچ بناتی رہتی ہے۔ یقین نہ آئے تو دیکھ لیجیے۔" وہ سکون سے بولی۔

جہاں داد برہم ہو گیا۔

"مس ذوباریہ احمد! کلاس کا منتظم میں ہوں آپ نہیں۔ کلاس کیا کرتی ہے کیا نہیں۔ یہ آپ کا دردِ سر نہیں ہے۔ کلاس کی کاپیاں چیک کرنے کے بجائے آپ اپنے آپ کو چیک کیا کریں۔ یہ آپ کے لیے زیادہ ضروری ہے۔ ناؤ سٹ ڈاؤن پلیز۔"

اس نے بری طرح جھڑک کر اسے بٹھا دیا۔

کلاس کو حیرت ہوئی کہ ذوباریہ چپ چاپ بیٹھ گئی ہے۔ وہ لیکچر دینے لگا۔ لیکچر کے آخر میں اس کی عادت تھی کلاس سے سوال کرنے کی۔ کلاس اطمینان سے جواب دینے لگی۔

پوری کلاس کو لیکچر سمجھ میں آگیا تھا۔ لیکن اس کا ہاتھ فضا میں بلند تھا۔ سوائے وہی سوال دوبارہ لکھ کر سمجھانا پڑا۔

"اب آپ کی سمجھ میں آگیا؟" وہ استادوں کی طرح نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"نو سر!" اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

جہاں داد نے سہ بارہ وہی سوال بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھایا۔

"ناؤ یو انڈر اسٹینڈ؟" وہ مطمئن سا ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"نو سر۔" اس نے پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

جہاں داد نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو کیا بات سمجھ میں نہیں آرہی۔ کھل کر وضاحت کریں۔"

"جو بات آپ نے مجھے لیکچر سے قبل سمجھانے کی کوشش کی تھی سر! وہ مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔" وہ انتہائی معصومیت سے بولی۔

کلاس نے ہنسی چھپانے کے لیے گردنیں جھکالیں۔ جہاں داد نے تیز و سرد نگاہ اس پہ ڈالی۔ پھر چاک رکھ دیا اور رجسٹر اٹھاتے ہوئے بولا۔

"آپ مجھے فلفتھ پریڈ کے بعد ملئے گا؟" وہ کلاس سے باہر نکلنے لگا۔

"کون سے پارک میں سر؟" وہ پیچھے سے برجستہ بولی۔

کلاس کو ہنسنے کی شدید خواہش ہوئی لیکن استاد محترم کا رعب اس خواہش کی تکمیل میں آڑے آگیا۔ اس قدر بے باکی پہ جہاں داد کے قدم من من کے ہو کر رک گئے۔

"پرنسپل صاحب کے آفس میں۔"

اس نے ترش و تیز لہجے میں کہا۔ اور کلاس سے باہر نکل گیا۔

❋ ❋ ❋ ❋

ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں وہ اشیائے صرف کا انتخاب لسٹ ہاتھ میں تھامے بڑے انہماک و سگھڑپن سے کر رہی تھی۔ کہ اچانک جہاں داد کی نگاہ اس پہ پڑی۔

پرنٹڈ شرٹ کالر والے بال ... تیزی سے چیزیں ٹرالی میں ڈال رہی تھی۔ ... کے پیچھے پیچھے ٹرالی کھینچتا ہوا آرہا تھا۔ جہاں داد اپنی مطلوبہ اشیاء کی طرف متوجہ ہو گیا تھوڑی دیر میں ... اس کے قریب آگئی۔ جہاں سے وہ ٹوتھ پیسٹ اٹھا رہا تھا وہیں سے اس نے بھی ٹوتھ پیسٹ اٹھایا۔ پھر اچانک اسے اپنے قریب دیکھ کر چونک گئی۔ نیلے رنگ کی ... پہ گرے شرٹ پہنے وہ ڈیسنٹ حلیے میں کھڑا تھا۔

"ارے، سر! آپ یہاں کیسے؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

جہاں داد نے سرسری سی نگاہ اس پہ ڈالی۔ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"لوگ کیسے آتے ہیں یہاں؟" اس کا انداز خشک تھا وہ ہنس پڑی۔ پھر ٹوتھ پیسٹ اپنی ٹوکری میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"استادوں میں یہی خصوصیت ہوتی ہے۔ کوئی ان سے سوال کرے تو جواب دینے کے بجائے الٹا سوال داغ دیتے ہیں۔"

جہاں داد نے پلٹ کر تیز و سرد نگاہ اس پہ ڈالی تو وہ ٹھٹک گئی۔ پھر سنبھل کر مسکرائی۔

"ٹوتھ پیسٹ میں آپ کا انتخاب میں بھی یہی استعمال کرتی ہوں۔"

جہاں داد چپ چاپ اشیاء اٹھاتا رہا' وہ بھی چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"آپ نے کل مجھے پرنسپل کے آفس میں بلایا تھا۔ کیا کہنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟"

جہاں داد جھک کر کچھ اٹھا رہا تھا۔ اتنے لاتعلق بننے سے اسے سخت غصہ آیا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا' پھر انتہائی تاسف سے بولا۔

"مس ذوباریہ احمد! جو چیپ حرکتیں آپ کرتی ہیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔"

ذوباریہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "بس اتنی معمولی سی بات کہنا تھی۔ میں سمجھی شاید کوئی بڑی بات ہو گی۔"

"یہ بات معمولی نہیں ہے' آپ کا کردار' آپ کی

شخصیت مسخ ہو رہی ہے ان حرکتوں سے۔" ذوباریہ اس کے ناصحانہ انداز پہ اکتا کر بولی۔

"آیئے سر! کہیں بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ یوں کھڑے کھڑے باتیں کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔"

(کس قسم کی لڑکی ہے یہ)

"شکریہ۔ میں مصروف ہوں۔" وہ مطلوبہ اشیاء کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مصروف تو میں بھی ہوں۔ لیکن اچھی پیش کش ٹھکرانے سے پہلے غور ضرور کر لینا چاہیے۔"

"ایسی پیش کشیں میرے لیے نئی نہیں ہیں۔ میں روزانہ انہیں مسترد کرتا رہتا ہوں۔ شاید آپ کو اچنبھا ہو مجھے غور کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

ذوباریہ استہزائیہ مسکرائی۔

"پہلے ہی روز کلاس نے آپ کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے استاد اور شاگرد کے مابین کچھ حجاب ہونا چاہیے۔ اس سے رشتوں کا احترام برقرار رہتا ہے۔"

اس نے سرد و سپاٹ لہجے میں کہا۔ ذوباریہ لاجواب ہو کر اشیاء دیکھنے لگی۔

اتفاق کی بات تھی دونوں نے ایک وقت میں ایک جیسی چیزیں لیں۔

جو شیمپو اس نے اٹھایا وہی ذوباریہ نے لیا۔

جو ہاتھ سوپ ذوباریہ نے لیا وہی جہاں داد نے لیا۔

"عجیب اتفاق ہے سر۔" وہ شانے اچکا کر مسکرائی۔

وہ خود اس اتفاق پر حیران تھا۔ لیکن اسے یہ اتفاق قطعاً پسند نہیں آیا۔

اس نے سب کچھ چھوڑ کر گولڈ لیف کی ڈبی اٹھالی۔

"یقیناً یہاں اتفاق نہیں ہو گا۔" اس کا انداز تمسخرانہ تھا۔

ذوباریہ ہنس پڑی۔ پھر دوسرے کیبن سے **بینسن ہیجز** "سگریٹ کی ڈبیہ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"یہاں میرا انتخاب واقعی مختلف ہے۔"

جہاں داد نے بے حد حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ سگریٹ پیتی ہیں؟" وہ حیرانی کا اظہار کیے بنا نہ رہ سکا۔

ذوباریہ کو اسے حیران کرنے میں بڑا لطف آیا۔

"رب نواز! تمام اشیاء کو پیک کرا کر بل بنواؤ۔ میں آدھے منٹ میں آتی ہوں۔"

"جی بی بی جی!" ملازم حکم بجالاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

پھر وہ اس سے مخاطب ہو کر بولی۔

Yes sirI am Chain smoker.

(جی ہاں سر میں عادی سگریٹ نوش ہوں)

جہاں داد نے توجہ سے اس کے چہرے پہ تفصیلی نگاہ ڈالی۔ پھر اس کے ہونٹوں کی طرف بغور دیکھا اور ناگواری سے بولا۔

"جو لوگ سگریٹ کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کے ہونٹوں کی رنگت سیاہی مائل ہوتی ہے۔ جبکہ آپ کے ہونٹوں کی گلابی رنگت بالکل نیچرل ہے۔ اس کا مطلب ہے آپ جھوٹ بھی بولتی ہیں۔"

ذوباریہ اس کے تجزیے پہ ایک بار پھر لاجواب ہو گئی۔

وہ سامان اٹھا کر آگے بڑھ گیا۔ پھر چلتے چلتے پلٹا۔

"چیلنج کرنے کا آپ کو بے حد شوق ہے لیکن اس بار یہ دھیان میں رکھیے گا کہ بائیک کی سواری کرتے ہوئے عورت دلیر لگتی ہے' لیکن سگریٹ پیتی ہوئی عورت ٹھکرائی ہوئی لگتی ہے' باقی آگے آپ کی مرضی۔"

اس کے چہرے پہ عجیب سا تبسم تھا' ذوباریہ کھڑی ہو کر اس کی چوڑی پشت کو گھورتی رہی۔

یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

+ + + +

"جہاں داد صاحب! پچھلے تین سالوں کا جو حساب کتاب ہے' وہ آپ اس فائل سے نقل کیجیے' تمام گوشوارے ملائیں اور دیکھیں کتنا فرق ہے۔ پھر اس سارے حساب کو کمپیوٹر پہ اتار دیجیے' تاکہ کسی کے شک شبے کی گنجائش نہ رہے۔"

"حقیقی سر! میں کمپیوٹر آپریٹ کرنا نہیں جانتا۔ یہ میں آپ کو بتا چکا تھا۔"

"اس بات کو چھوڑیں، اسحاق صاحب۔ میں نے کہہ دیا ہے وہ آپ کے روم میں کمپیوٹر اور کمپیوٹر جاننے والے باصلاحیت اور بااعتماد شخص کی تقرری کر دیں گے۔ جس سے آپ اپنی زیر نگرانی نگاہ رکھ کر کام کرا سکتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو کمپیوٹر سیکھ بھی سکتے ہیں کوئی لمبا چوڑا عرصہ نہیں لگے گا۔"

"میں کوشش کروں گا سر۔"

"پچھلا مینیجر ہمیں خاصا پریشان کر کے گیا ہے۔ کمپنی کو نقصان ہوا ہے۔ کچھ عرصہ تک ہو سکتا ہے کچھ دوسری پریشانیوں کی وجہ سے میں آفس میں اتنا وقت نہ دے سکوں چنانچہ آپ کو بے حد ذمے داری سے کام کرنا ہو گا۔"

"السلام علیکم پاپا جانی!" وہ آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا۔

"وعلیکم السلام پاپا کی جان۔" فائق احمد سب کچھ چھوڑ کر بیٹی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جہاں داد نے گردن گھما کر دیکھا۔

کھلے پائنچوں کی گرے کلر کی پینٹ، بلیک شرٹ گرے کوٹ میں ملبوس میرون اسکارف ڈالے۔ دوبارہ فائق احمد کے سامنے کھڑی تھی۔ جہاں داد کو بے حد تعجب ہوا کہ وہ فائق احمد کی بیٹی ہے۔

"کیسے آنا ہوا ہماری بیٹی کا؟" فائق احمد نے بے حد لاڈ سے پوچھا۔

"وہ پاپا۔ بس ذرا پچاس ہزار روپے چاہیے تھے۔"

(ذرا پچاس ہزار) جہاں داد نے اس کا کہا ہوا جملہ زیر لب دہرایا۔

"بھئی ایسی بھی کیا ضرورت پڑ گئی کہ ہماری بیٹی کو خود پیسوں کے لیے آنا پڑا؟"

"وہ پاپا کالج میں ثقافتی میلے کا انعقاد ہو رہا ہے نادار افراد کی فلاح و نمائندگی کے لیے۔ جسٹ بور فنکشن۔ عجیب ہے ہماری ثقافت بھی۔ بھوسے سے بھرے ہوئے گھوڑے ڈانس پیش کریں گے۔ لاحول

کچھ فراڈوں میں [illegible] گئے۔

"پھر [illegible]"

[illegible]

"آپ [illegible] چاہیں؟"

[illegible]

"مجبوری پاپا [illegible] معلوم نہیں۔"

[illegible]

"[illegible] ان کے گھر [illegible] ہو گا؟"

"جی [illegible] اور چل جاتا۔"

"تو آپ انہیں [illegible] ملے تو پاپا انہیں ہوا تھا۔ اور [illegible] کوئی [illegible] پریشان کر رکھا ہے آپ نے انہیں۔"

"میں نے پریشان کر رکھا ہے انہیں [illegible] انہوں نے ہی پریشان کیا ہوا ہے مجھے۔" [illegible] کر بیٹھ گئی۔

[illegible] جہاں داد پر پڑی تو [illegible] ہو گئی۔

"مسٹر [illegible] آپ یہاں؟" اس کا [illegible] تھا۔

"آپ جانتی ہیں انہیں؟" فائق احمد نے سوال کیا تو اس نے عجیب سے [illegible] دوسرے ہی پل انکار کر دیا۔

"نن نہیں۔ تو۔"

"یہ ہماری کمپنی کے نئے مینیجر ہیں۔" فائق احمد نے [illegible] تعارف کرایا۔ "اور جہاں داد صاحب ہماری بیٹی ہے [illegible]"

"میں چلتا ہوں سر، انہیں۔" جہاں داد نے فائق احمد کی بات کاٹ کر کہا۔ پھر اس نے ذوباریہ کی طرف دیکھ اور جتانے والے انداز میں بولا۔ "غالباً" میں آپ کا وہی استاد ہوں۔ جس نے آپ کو پریشان کر رکھا ہے۔ چلتا ہوں سر۔ کوئی کام ہو تو انٹرکام پر مطلع کر دیجیے گا۔"

وہ فائلیں اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ فائق احمد نے تعجب سے بیٹی کی شکل دیکھی۔ تو وہ کندھے اچکا کر ہنس پڑی۔ ابھی وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ دس منٹ کے بعد انٹرکام بجا۔

"یس سر۔"

"جہاں داد صاحب! پچاس ہزار روپے فوری طور پہ کیش میں مل جائیں گے؟"

"مل جائیں گے سر۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ پیسے میرے روم میں بھجوا دیں۔ ایک منٹ۔"

فائق احمد نے ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھا۔ پھر دوبارہ بولے۔ "وہ ایسا ہے کہ ذوباریہ آپ کے روم میں خود ہی آ رہی ہے۔ جتنے پیسے چاہتی ہے کیش کی صورت میں اسے دے دیجیے گا۔"

"اوکے سر۔" اس نے انٹرکام بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ذوباریہ اندر داخل ہوئی۔

کچھ دیر قبل اس کے چہرے پہ جو ہوائیاں اڑی تھیں اس کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ بلکہ اب بے حد اطمینان اور آسودگی جھلک رہی تھی۔

"آیئے تشریف رکھیے۔" جہاں داد نے گویا فارمیلٹی ادا کی۔

وہ مسکرا کر کرسی پہ بڑے مطمئن سے انداز میں بیٹھ گئی۔

"کتنے پیسے چاہئیں آپ کو؟"

"ففٹی تھاؤزنڈ۔" اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔

جہاں داد نے فون پہ دوسری جگہ رابطہ کیا۔ پھر کیشئر کو پچاس ہزار روپے لانے کے لیے کہا۔ اتنی دیر میں اس نے پورے آفس کا جائزہ لے ڈالا جو کہ بالکل عام سا تھا۔

"آپ انتظار کریں۔ پیسے ابھی آتے ہی ہیں۔" اس نے فون بند کر دیا اور فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اخلاق کا تقاضا تو یہ ہے کہ آپ انتظار کے عرصے میں میری کچھ تو اضع کریں۔ خواہ وہ سادہ پانی کا گلاس ہی کیوں نہ ہو۔ بہر حال آپ کا فرض بنتا ہے۔ فی الوقت آپ میزبان ہیں اور میں مہمان ہوں۔"

جہاں داد نے ایک نگاہ غلط اس پہ ڈالی اور جبر برداشت سا ہو کر رہ گیا۔ پھر انٹرکام اٹھایا بٹن پش کیا۔ خیال آیا تو اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا لیں گی آپ؟"

اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے وہ مسکرائی۔

"قدرت کے کھیل ہیں سر! کل آپ نے میری پیش کش مسترد کر دی تھی آج خود ہی مجھے آفر کر رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی۔ "بہر حال کچھ بھی منگوا لیجیے۔ جو آپ کو پسند ہو۔ یہ تو ثابت ہے ہماری پسند اتفاقیہ طور پہ ہی سہی پر ملتی تو ہے۔"

"چائے اور کچھ اسنیکس بھجوا دیجیے۔" آرڈر دے کر وہ کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بغور اس کا جائزہ لینے لگی۔

آف وائٹ میرون دھاریوں والی شرٹ اور میرون پینٹ میں اس کا وجیہہ سراپا کس قدر جچ رہا تھا۔ حالانکہ اس کا لباس نہ تو قیمتی تھا اور نہ ہی گراں قدر خصوصیات کا حامل تھا۔ گریبان کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے اس کے سینے کے بال تھوڑے تھوڑے نظر آ رہے تھے۔ دائیں آستین فولڈ کی ہوئی تھی اور بائیں آستین کھلی ہوئی تھی۔ مزاج کی طرح لباس میں بھی لاپروائی کا عنصر نمایاں تھا۔

وہ بڑی محویت سے فائل کی طرف متوجہ تھا۔ یوں جیسے وہ کمرے میں تنہا ہو۔ دوسرے فرد کی موجودگی کا چہرے پہ ذرا بھی احساس نہیں تھا۔ ذوباریہ کی نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹک گئیں۔ گہرے سیاہ چمکدار بال

چوڑی پیشانی پہ بکھرے پڑے تھے۔ روشن چمکتی ہوئی خوبصورت آنکھیں بے حس و بے جان کالقدوں پہ لگی تھیں۔ اس کی پلکوں کی جھالروں کو وہ غور سے دیکھنے لگی اس سے قبل اس نے کسی مرد کی اتنی لمبی اور گھنی پلکیں نہیں دیکھی تھیں۔ یا شاید کسی مرد کو اتنے غور اور دلچسپی سے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ دوسری دلچسپ بات اس کے گال کا سیاہ واضح تل تھی سی ستواں ناک اٹل ارادوں کی طرح کھڑی تھی۔ یوں جیسے اس کے مزاج کی غمازی کر رہی ہو۔ پہلی ملاقات میں ہی اپنے ناک سے تیکھے پن سے وہ اسے کسی حد تک مغرور اور لاتعلق لگا تھا۔

گھری بھری سیاہ مونچھیں۔ جن سے بالائی ہونٹ تقریباً چھپ گیا تھا۔ لیکن نچلے ہونٹ کی رنگت قدرے کھلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ ٹھوڑی کے وسط میں بالائی رخ ہلکا سا خم تھا۔ یوں جیسے خالق قدرت نے اپنا شاہکار بنا کر خود ہی پیار سے چھو لیا ہو۔

"میں اندر آ سکتا ہوں سر!" نو وارد کے آنے پر اس کی محویت ٹوٹی۔ تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"آیئے نعیم صاحب!" نعیم اندر آ گیا۔ میڈم کو سلام کیا پھر پیسے جہاں داد کی طرف بڑھائے۔ لیکن اس نے کہا "یہ پیسے میڈم کو دے دیجئے۔"

اس نے معنویانہ انداز میں پیسے ذوباریہ کے سامنے کیے۔ ذوباریہ ایسے ہی بیٹھی رہی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"نعیم صاحب! آپ یہ پیسے میز پر رکھ دیں اور باہر چلے جائیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا دایاں ہاتھ جہاں داد کے سامنے پھیلا دیا۔

جہاں داد نے ایک سلگتی سی نگاہ اس پہ ڈالی۔

(اگر تو تم مجھے میری کمتر حیثیت کا احساس دلانا چاہتی ہو اور یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک ادنیٰ سے ملازم کی طرح تمہارے سامنے روپے پیش کر کے اپنی ہی نظروں میں ذلیل ہو جاؤں گا تو یہ تمہارے اندر کا کمپلیکس اور خلا ہے۔ تمہاری کسی بھی برتری سے مجھ پہ اور میری صلاحیتوں پہ کچھ فرق نہیں پڑتا۔ میں اس ذمے داری کو اپنی نوکری کا حصہ ہی سمجھتا ہوں)

جہاں داد نے رقم اٹھا کر اس کے ہاتھ پہ رکھ دی۔

اس نے مسکرا کر جہاں داد کی طرف دیکھا۔

(آپ اندازہ نہیں کر سکتے سر! آپ کے ہاتھ سے پیسے لے کر مجھے کس قدر تسکین ملی ہے۔ آپ شاید سوچ بھی نہیں سکتے میرے پرس میں میرے ذاتی اکاؤنٹ کا چیک پڑا ہوا ہے۔ میں چاہتی تو چیک کاٹ کر کالج میں جتنا مرضی ڈونیٹ کر سکتی تھی لیکن چونکہ مجھے مانگنا بہت اچھا لگتا ہے۔ اسی لیے میں پاپا کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتی ہوں۔ لیکن کبھی انہوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیسے نہیں دیئے۔ ان کا بھی اپنا ایک نظریہ ہے۔ مانگنے اور دینے سے احساسات مجروح ہوتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے کچھ ایسا سلسلہ بنایا ہوا ہے کہ بالواسطہ نہ مجھے مانگنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ انہیں دینے کی)

اس نے وہ رقم اپنے پرس میں ڈال لی۔ اسی اثناء میں ملازم ٹرے سجا کر لے آیا۔ اور اس کے سامنے رکھ دی۔

جہاں داد کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"خالد! میں ذرا باہر جا رہا ہوں میڈم کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو لا دینا۔"

ایک معمولی چپراسی کے سامنے ذوباریہ کو اس کا یہ رویہ انتہائی تضحیک آمیز لگا۔ جبکہ وہ پہلے ہی دو پیالیوں میں چائے ڈال چکی تھی خالد دانت نکوس کر بولا۔

"جہاں داد صاحب تو میڈم ویسے بھی چائے نہیں پیتے۔" اس نے تپتی ہوئی نگاہوں سے جہاں داد کی طرف دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرا کر بولی۔

"اچھا تو گویا یہ ایک وقت میں ایک ہی نشہ کرتے ہیں۔" جہاں داد کمرے سے نکل رہا تھا۔ اس کے لفظوں پہ جھٹکے سے اڑ گیا۔

+ + + +

اگلے روز جب وہ آفس آیا تو اپنے آفس کا حلیہ دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ کمرہ تھا یا کوئی لگژری اپارٹمنٹ۔

اعلا فرنیچر، اسٹائلش پردے، دبیز اور قیمتی قالین۔ ہر ایک چیز اعلا ذوق کی نمائندگی کر رہی تھی۔

پہلے تو اسے گمان ہوا کہ وہ غلط جگہ پہ آ گیا ہے۔ لیکن پھر اس کی نگاہ میز پہ پڑی جہاں خوبصورت پھولوں

کے ساتھ ایک عدد رقعہ بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے کاغذ اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ تحریر انگریزی میں رقم تھی۔

"نئی نوکری مبارک ہو۔ جس کمرے میں آپ بیٹھا کرتے تھے۔ وہ کمرہ آپ کے شایانِ شان نہیں تھا۔ اس لیے میں نے ہر چیز تبدیل کرا دی ہے۔ امید ہے کمرا پسند آیا ہوگا۔"

عالمِ طیش میں اس نے کاغذ کے پرزے پرزے کر دیے۔

پھر گھنٹی بجائی۔ ملازم حاضر ہو گیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" وہ جھنجلا کر بولا۔

"سر! یہ سب کچھ میڈم کی مرضی سے ہوا ہے۔" ملازم نے جواب دیا۔

تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"سر! آپ کے لیے کیا لے کر آؤں؟ میرا مطلب ہے کس قسم کا مشروب پئیں گے۔ اس وقت آپ؟"

اس نے حیرت سے خالد کی شکل دیکھی۔

"سر! یہ میڈم کا حکم ہے کہ آپ کا بہت زیادہ خیال رکھا جائے۔ آپ کو یہاں کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے اور..."

"او شٹ اپ!" اس نے چلا کر ملازم کو چپ کرایا۔ "ایم ڈی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں؟" لہجہ غضبناک تھا۔

"شاید سر!" ملازم گھبرا گیا۔

وہ پھول اٹھا کر آندھی طوفان کی طرح کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور اسی رفتار سے آفس میں داخل ہوا۔

وہ اپنے باپ کی کرسی پہ بڑے استحقاق و اعتماد سے سامنے ہی براجمان تھی۔ جہاں داد نے وہ سب پھول اس کے سامنے پھینک دیے۔ پھر دونوں ہتھیلیاں میز پر جما کر اس کے سامنے جھکا۔ اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

"میں جانتا ہوں۔ آپ کو ہر وقت حالتِ جنگ میں رہنا اچھا لگتا ہے۔ لیکن اپنی یہ خوبی، صلاحیتیں مجھ پہ آزمانے کے بجائے کہیں اور صرف کیجیے شاید بات بن

کے آفس کا ایک اور کمرہ اگر وری ہو گیا۔ اور بس۔ میں ان باتوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ میرے لیے یہ اتنا ہی معمولی عمل ہے۔ جتنا ایک دولت مند خاتون اپنا اسٹیٹس دکھانے کے لیے عام سے عام فنکشن میں بھی قیمتی ساڑھی اس لیے پہنتی ہے تاکہ لوگ اسے خوش قسمت اور بے حد امیر سمجھیں۔ درحقیقت اپنی خوش قسمتی پہ وہ خود بھی خوش نہیں ہوتی۔ تب ہی لوگوں کو متاثر کرنے کی سعی کرتی رہتی ہے۔" پھر وہ رکا نہیں۔ سو ان ہی قدموں سے واپس پلٹا۔

"بات تو سنیے سر!" اس کی آواز عقب سے آئی تو اس کے قدم رک گئے۔

"آپ یہ نوکری چھوڑ دیجیے۔"

جہاں داد نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر طنزیہ مسکرا کر بولا۔

"پچھلے رویوں کا جواب ہے یہ..."

"نہیں سر!" وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔ "میرے سابقہ رویے کے بعد پاپا کے آفس میں آپ خود کو ہمیشہ ان بیلنس، شکستہ، مجبور اور ہارا ہوا محسوس کریں گے۔"

"بات سنیں مس ذوباریہ احمد! انسان خود کو شکستہ، مجبور اور ہارا ہوا وہاں محسوس کرتا ہے۔ جہاں سے مفت کی لے کر کھاتا ہے۔ میں یہاں محنت کرتا ہوں۔ یہاں سے مجھے جو کچھ بھی ملتا ہے وہ سراسر میری محنت اور دیانت کا نتیجہ ہے۔ نہ کہ آپ کے رویوں کا خراج، میرا ایمان ہے۔ انسان کو اپنی محنت پہ نہ تو شرم آنی چاہیے اور نہ ہی اسے دوسرے خوب تر شخص سے بھی حسد محسوس کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر انسان اپنے اپنے نصیب کے دائرے میں قید ہوتا ہے۔ اگر آپ مجھے پریزائن کرنے کو کہیں گی تو میں کسی وجہ سے ہی مستعفی ہوں گا۔ ڈس مس کرنے کا اختیار بہرحال آپ کے پاس ہے۔ آرڈر کا انتظار کروں گا؟"

وہ بلا دھڑک کمرے سے باہر نکل گیا۔ ذوباریہ کے لبوں پہ تیکھی سی مسکان سج گئی۔

+ + + +

تم [illegible] آنکھیاں

وے تو فیروزی دو ریاں رکھیاں
تو جت گیا سجناں- میں تکڑی ہار گئی

ورشہ کمرے میں داخل ہوئی تو نور جہاں کی آواز اس کے کانوں کے آرپار ہونے لگی اس نے کانوں پہ انگلیاں رکھ لیں پھر کمرے کا جائزہ لیا حسب معمول ٹی وی آن تھا' وی چینل پہ "میڈونا" قابل اعتراض حلیے میں متحرک رہی تھی- اور وہ خود کم لائٹس میں بہت سارے کشن اور تکیوں کے درمیان 'مونپاساں' رائیڈر ہیگرڈ' رچرڈ برٹن' اور ولیم شیکسپیئر کے ناول بکھرائے بیٹھی تھی "شی" آنکھوں سے لگا تھا- ہاتھ گاجر کے حلوے پہ تھا۔

ورشہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی- پھر اس کے سر پہ ٹینا پر مارتے ہوئے بولی۔

"یہ تم کھا رہی ہو' پڑھ رہی ہو' سن رہی ہو' یا دیکھ رہی ہو؟-"

ذوباریہ اس کی اچانک آمد پہ چونک پڑی پھر مسکرا کر بولی۔

"چاروں ہی کام اکٹھے کر رہی ہوں۔"

"اور میرا خیال ہے- تم ایک بھی کام صحیح طرح سے نہیں کر پا رہیں۔"

اس کی غیر حاضری پہ ورشہ نے چوٹ کی- پھر ڈیک اور ٹی وی دونوں چیزیں آف کر کے کھڑکیوں پہ سے پردے ہٹا دیے۔

پھر اس کے مقابل آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی- اور اس کے ہاتھ سے ناول لے کر دور پھینک دیا۔

"تمہیں معلوم ہے مجھے تمہارے تمام شوق زہر لگتے ہیں' ماسوائے ایک کے۔"

اس نے گاجر کے حلوے کو آنکھ ماری اور سر جھکا کر حلوہ ہڑپ کرنے لگی۔

"اگر تم میں کھانے پینے کا اعلا ذوق نہ ہوتا تو میں کب کی تم سے دوستی ختم کر چکی ہوتی۔"

"اس کا مطلب ہے' تم کھانے پینے کے لیے میرے پاس آتی ہو۔"

"کیا بتاؤں- بس' گھر میں بہن بھائی اتنے زیادہ ہیں کہ مجھے کبھی بھی پورا حصہ نہیں ملتا۔"

ذوباریہ نے ہنس کر اس کے سر پہ کتاب ماری پھر ساری کتابیں ریک میں ترتیب سے رکھنے لگی۔

"سنو۔"

"ہوں۔"

"ہادی نے مجھے پرپوز کیا ہے۔"

"انکار کر دو۔"

"وہ کیوں؟-"

"اس نالائق کے والدین اب تک اولاد میں اضافہ کر رہے ہیں- ہو سکتا ہے یہ موروثی بیماری اس میں بھی ہو- بڑھاپے تک افراد اولاد کی وجہ سے تمہیں کبھی بھی پورا کھانے کو نہیں مل سکے گا۔"

ورشہ اس کی دور اندیشی پہ ہنس پڑی۔ "اور قدیر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟-"

"اسے تحقیق کے بعد ریجیکٹ کرنا- کیونکہ وہ مستقبل قریب کا ڈاکٹر ہے- اس کے عزائم نیک ہوں گے۔" ذوباریہ نے تسلی دی' ورشہ مسکرا دی۔

"اور تمہارے عزائم کیا ہیں؟-"

میرے؟-" ذوباریہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"جی جناب آپ کے- کلاس میں بہت سیدھی سیدھی چل رہی ہو- نہ کوئی سوال' نہ کوئی جواب- کہیں کوئی بڑا دھماکہ تو نہیں ہونے والا- مجھے پہلے بتا دینا- میں تمہاری اچانک افتاد سے بہت تنگ ہوں۔"

"حلوہ منگواؤں اور۔" ذوباریہ نے پلیٹ صاف دیکھ کر کہا۔

"نہیں بس- مجھے تو چکھنا ہی تھا۔"

ذوباریہ نے صاف ستھری پلیٹ کی طرف دیکھا۔

"یہ چکھنے کی عادت ذرا کم کرو- ڈاکٹر حضرات چکھنے کا بہت پرہیز بتاتے ہیں- کہیں ایسا نہ ہو' آدھے حصے سے بھی جاؤ۔"

ذوباریہ نے ہنس کر ٹالا- مگر ورشہ سمجھ گئی۔

"ذوباریہ!"

"ہوں۔"

"ذرا میری طرف دیکھو۔"

"کس اینگل سے زیادہ اچھی لگتی ہوں- کدھر

بیٹے دیکھوں؟" ذوباریہ ہنس کر مڑی مگر ورشہ سنجیدہ تھی۔

"سر۔ سری ہی ہیں ناں۔ سرکار تو نہیں بن بیٹھے؟"

جواب میں وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ورشہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر ذرا توقف کے بعد بولی۔

"آخر ان کی کون سی خوبی نے تمہیں زیادہ متاثر کیا ہے؟" ذوباریہ کندھے اچکا کر مسکرائی۔

"ان میں سب سے اچھی خوبی یہ ہے کہ وہ صنف مخالف کی کسی بھی خوبی سے متاثر نہیں ہوتا۔"

"حالانکہ تم نے متاثر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" ورشہ نے چوٹ کی۔

"اتفاق کی بات ہے۔ میں خود ہی ان سے متاثر ہو گئی۔" وہ لاپروائی سے ہنس پڑی۔

"مگر وہ تمہیں خوش نہیں رکھ سکیں گے؟" ورشہ تاسف سے بولی۔

"کیوں؟" ذوباریہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارا اسٹیٹس ان بیلنس ہے اس لیے۔"

ذوباریہ استہزائیہ مسکرا دی۔

(بیلنس صرف ظاہری شخصیت میں ہونا چاہیے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہر توازن بے کار ہے۔)

"چھوڑو اس قصے کو۔ یہ بتاؤ اب تم نے ہادی پہ غور کرنا ہے یا ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب پہ؟"

"فی الحال تو تم پہ غور کر رہی ہوں۔ آیا تم سنجیدہ ہو یا مذاق کرنے کا کوئی نیا طریقہ ہاتھ لگا ہے۔" اس کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ ذوباریہ سنجیدہ ہو گئی۔

"زندگی کے اہم فیصلے مذاق نہیں ہوتے۔"

"مگر اہم فیصلے یک طرفہ بھی نہیں ہوتے۔" ورشہ نے جتایا۔

"ہمیشہ وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ بہت کچھ بدل جاتا ہے۔"

"لیکن ذوباریہ! وہ بہت مختلف شخص معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تمہیں کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لو۔ جتنا زیادہ آگے بڑھو

گی۔ پیچھے پلٹنا دشوار ہو جائے گا۔ برداشت کر لو گی اپنی تذلیل؟"

"کیوں کیا کمی ہے مجھ میں؟" ذوباریہ تڑپ کر بولی۔

"اگر وہ خوبیوں پہ مرنے والا ہوتا تو نجانے کتنوں سے دل بہلا رہا ہوتا؟"

"اس کی یہی تو بات اچھی لگتی ہے۔" دوسرے ہی لمحے ذوباریہ ہنس پڑی۔

"ایک وقت تھا، تمہیں عمران خان بھی اچھا لگتا تھا۔ صرف اسی وجہ سے۔"

"اس وقت میں سیکس کلاس میں تھی۔" ذوباریہ نے ہنس کر بتایا۔

"لیکن مجھے تو تم آج بھی سیکس کلاس کی ہی بچی لگ رہی ہو۔ ان میچیوڈ اور جذباتی۔" ورشہ نے اسے جھڑک دیا۔ ذوباریہ خاموش ہو گئی۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے گلے کی چین سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"سنو کیا واقعی وہ اتنا پتھر ہے؟؟"

ورشہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پہ پہلی بار کسی بھی قسم کا گھمنڈ نہیں تھا۔ بلکہ شکست کا اندیشہ لہجے کو زخمی کر رہا تھا۔ ورشہ کے دل کو کچھ ہوا۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ ہنس پڑی۔

"وہ جو بھی ہو، بہرحال ایک مرد ہی ہے اور مرد عورتوں کے اثرات سے زیادہ دیر تک نہیں بچ پاتے۔"

"لیکن جو بچ جاتے ہیں۔ وہ یا تو مرد نہیں ہوتے یا پھر پتھر ہوتے ہیں۔" ذوباریہ نے ورشہ کی طرف دیکھا، پھر سر جھٹک کر گلے کی زنجیر سے کھیلنے لگی۔

(مجھے پتھر کو موم کرنا آتا ہے)

"مے آئی کم ان سر؟" اس نے آفس کے دروازے سے جھانک کر پوچھا۔ جہاں وہ الماری میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ پورا کا پورا مڑ گیا۔ موٹی ایڑی کے کالے اسٹریپ والے سینڈل جن میں اس کے دودھیا پاؤں کا گداز ابھر رہا تھا۔

کالی پینٹ' سرخ اور کالی پرنٹڈ ڈھیلی سی شرٹ' شانوں پہ سرخ اسکارف ڈالے وہ دروازے میں استادہ تھی۔

جہاں داد کو اس کا اجازت مانگنا عجیب سا لگا' فائل میز پہ ڈالتے ہوئے طنزیہ مسکرا کر بولا۔

"آپ کے والد کا آفس ہے۔ بلا اجازت بھی اندر آجائیں تو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے بھی مالک کچھ کرنے سے پہلے محکوموں سے پوچھا نہیں کرتے۔"

اس نے شانے اچکا کر کمرے کے حلیے کی طرف اشارہ کیا اور کرسی دھکیل کر بیٹھ گیا۔

ذوباریہ شرمندہ ہو گئی۔ اجازت طلب جملے بے ساختہ تھے' ہچکچاتے ہوئے وضاحت کرنے لگی۔

"دراصل کلاس روم کی وجہ سے۔ آپ سے بار بار اجازت مانگنے کی عادت پڑ گئی ہے۔" پھر وہ اندر کمرے میں داخل ہو گئی۔ جہاں داد سامنے رکھے کاغذ الٹ پلٹ کرنے لگا۔ ذوباریہ کو عجیب سا لگا۔

"آپ مجھے بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گے؟"

جہاں داد نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ پچھلے جملے مت دہرایئے گا۔" ذوباریہ تیزی سے بولی۔ "بے شک میں اس پوری بلڈنگ کی مالک ہوں لیکن فی الحال تو یہ روم آپ کی دسترس میں ہے۔ اس لحاظ سے آپ یہاں کے مالک ہیں۔ اور مجھ پہ واجب ہے جو کچھ بھی یہاں کروں' آپ کی مرضی کے تحت کروں۔"

"یہ سب آرائش میری مرضی کے تحت ہی تو ہوئی تھی۔" جہاں داد کا انداز انتہائی کاٹ دار تھا۔

"اگر آپ کو کچھ ناپسند ہے تو میں تبدیل کروا دیتی ہوں۔"

جہاں داد نے تیز سی نگاہ اس پہ ڈالی تو وہ خاموش ہو گئی۔

"بیٹھ جایئے پلیز۔" ناچار اسے کہنا پڑا۔ ذوباریہ تشکر آمیز انداز میں بیٹھ گئی' وہ پھر سے مصروف نظر آنے لگا۔

کئی لمحے وہ یونہی بیٹھی رہی۔ اس نے معمولی بھی توجہ نہیں دی۔ ذوباریہ اس کے بے اعتنائی پہ سلگ کر رہ گئی۔

"آخر ان کاغذوں میں ایسا بھی کیا ہے کہ آپ کو ان کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔"

جہاں داد نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ تو اس نے فوراً سر جھکا لیا اس کے ساتھ ہی آواز اور لہجہ بھی دھیما ہو گیا۔ شکایتاً بولی۔

"آپ کلاس روم میں بھی مجھے توجہ نہیں دیتے۔ یہ زیادتی ہے۔ آئی مین میں آپ کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ استاد کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ کلاس میں کسی ایک اسٹوڈنٹ کو شدید طریقے سے نظر انداز کرے۔ آخر آپ باقی اسٹوڈنٹس کے ساتھ بھی تو اپنائیت سے پیش آتے ہیں۔ مجھے آپ کا ایسا رویہ تکلیف پہنچاتا ہے۔"

جہاں داد اس کی بات سن کر طنزیہ مسکرایا' فائل پہ سرخ ربن کی گرہ لگاتے ہوئے بولا۔

"تو گویا آپ شکایت کرنے آئی ہیں۔ حالانکہ آپ کو یہ شکایت یا تو پرنسپل صاحب سے کرنی چاہیے تھی یا اپنے والد صاحب سے' کم از کم میری کھنچائی تو ہوتی۔ اب تو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔"

اس نے فائل ایک طرف رکھ کر دونوں ہاتھ میز پہ رکھ لیے۔ پھر ایک ہاتھ کی کہنی میز پہ رکھ کر اس پہ تھوڑی ٹکائی' اور دوسرے ہاتھ کے ناخنوں سے آہستہ آہستہ ٹیبل بجانے لگا۔

ذوباریہ نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بغور اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اس کا لہجہ اور انداز قطعی اچھا نہیں لگا' صلح کن لہجے میں بولی۔

"سر! شروع شروع میں ہمارے درمیان جو بھی محاذ آرائی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ بار بار تاریخ دہراتے رہیں گے' میرا مطلب ہے' یہ چلتا ہی رہے گا۔"

اس کی بات پہ جہاں داد ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"حیرت کی بات ہے۔ جن لوگوں نے جنگ شروع کی تھی۔ وہی مفاہمت میں بھی پہل کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ جو جنگ چھیڑتا ہے وہ جنگ پہ ہی فیصلہ کرتا ہے۔" اس کی بات پہ ذوباریہ کا

سر جھک گیا۔

"فیصلہ تو ہو چکا سر اور میں ہار گئی۔ جنگ لڑنے سے پہلے ہی ہار گئی۔ لیکن کیا میں آپ کے سامنے اپنی شکست تسلیم کر لوں۔ مگر مجھے لے گا کیا ہارے ہوئے پاؤں کو تو کچھ بھی نہیں ملتا۔ جنگ میں آپ کو فتح کرنا چاہتی ہوں۔ جہاں داد آپ کو"

دفعتاً" انٹر کام بجا۔ وہ اپنے خیال سے چونک پڑی۔ جہاں داد پیغام ریسیو کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے ذرا افاق صاحب نے بلایا ہے۔"

وہ "تھوڑا" کہہ کر کمرے سے باہر نکلنے لگا۔ زویاریہ کو یک بیک یاد آیا تو چونک کر بولی۔

"سنیے سر!" جہاں داد کے قدم رک گئے۔ زویاریہ نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ جہاں داد نے استفہامیہ نگاہ اس پہ ڈالی پھر لفافہ کی طرف دیکھا۔

"یہ آپ کا خط ہے۔ دراصل میں یہی دینے آئی تھی۔" جہاں داد متذبذب انداز میں لفافہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"گھبرائیے نہیں۔ انکل بیگ کا خط ہے۔ آئی مین۔ پروفیسر سلطان بیگ۔"

جہاں داد نے فوراً" لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا پھر بڑے بے باک انداز میں کھولتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"بہت دیر بعد بتایا آپ نے مجھے حالانکہ آپ کو آتے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔" اس کی نگاہیں خط کی تحریر پہ دوڑنے لگیں اور مجسم گہرا ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سنجیدہ ہو گیا اور حیرانی نے جگہ لے لی۔ زویاریہ سہولت سے اس کے تاثرات نوٹ کر رہی تھی۔

پورا خط پڑھنے کے بعد اس نے اسی حیرت سے زویاریہ کی طرف دیکھا۔ اس کی حیرت میں تھوڑی خوشی بھی جھلک رہی تھی۔

"میرے متعلق اتنی معلومات انہیں کیسے ملیں؟۔ حالانکہ ہماری ملاقات تو محض چند گھنٹوں پہ مشتمل ہے۔"

زویاریہ سر جھکا کر پیپر ویٹ لٹو کی طرح گھمانے لگی۔

"میں انکل سے سب باتیں کرتی ہوں۔"

"بڑا فالتو وقت ہے آپ کے پاس یعنی آپ میری باتیں بھی انہیں لکھ بھیجتی ہیں۔" جہاں داد کا انداز تمسخرانہ تھا۔ وہ پرچہ تہہ کر کے جیب میں رکھنے لگا۔ زویاریہ کے دل کو بری طرح ٹھیس پہنچی۔ اس نے سر اٹھا کر جہاں داد کی طرف دیکھا۔

"نہیں سر! میں تو صرف اپنی بات کرتی ہوں ان سے۔ نجانے آپ کیسے شامل ہو گئے میری باتوں میں۔"

جہاں داد نے نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے پہلے کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ متحیر سا اس کے لفظوں پہ غور کرنے لگا۔

◆ ◆ ◆ ◆

مسلسل بارشیں ہونے کی وجہ سے سردی میں شدت سے اضافہ ہو گیا تھا۔ ہمہ وقت آسمان پہ منڈلاتے کالے بادل اور برستی ہوئی اوس دن کے کسی پہر بھی گرج چمک کے ساتھ طوفانی بارش شروع ہو جاتی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارا شہر جل تھل ہو جاتا۔ اسے بارشوں کا موسم سخت زہر لگتا تھا۔ ایسے میں وہ گھر سے نکلنا بھی گناہ کبیرہ تصور کرتی۔ تب ہی کالج سے مسلسل چھٹیاں کرتی تھی۔

دن رات گھر میں گزر رہے تھے۔ پاپا گھر میں ہوتے تو موجودہ سیاسی حالات پہ مذاکرہ ہو جاتا یا پھر چائے کی ایک ایک پیالی پہ شطرنج کی بازی ہو جاتی۔

اکثر اوقات وہ بہت زیادہ مصروف ہو جاتے۔ تو وہ ان سے کہیں زیادہ مصروف دکھائی دینے لگتی۔

اس وقت وہ بے حد فارغ تھی۔ اور ایسی فراغت میں جب کسی بھی چیز میں دل نہیں لگتا تو وہ وڈیو گیم کھیلا کرتی۔

اب بھی وہ سپر ماریو گیم کھیل رہی تھی۔ کانوں میں واک مین لگا تھا جس پہ فلم ہیر رانجھا کے گیت چل رہے تھے۔

ملازم نے آ کر بتایا بڑے صاحب سے کوئی ملنے آیا ہے۔

"بھیج دو اندر۔" اس نے لال دین کو ٹرخایا۔ تمام تر توجہ گیم پہ تھی۔

تھوڑی دیر میں لال دین اپنی ہمراہی میں جہاں داد کو اندر لے آیا۔ وہ بہت سارے کشن اور تکیوں کے درمیان دو تین کمبل اپنے اوپر اور دائیں بائیں ڈالے بچوں کی طرح انہماک سے گیم کھیل رہی تھی۔ لیکن جیسے ہی جہاں داد پہ نگاہ پڑی ساری توجہ ہوا ہو گئی۔

"سس... سر آپ؟" پہلے گیم کا لیور ہاتھ سے چھٹا۔ پھر واک مین کی تار کانوں میں سے نکالا۔ پھر خود کو کمبلوں سے آزاد کیا۔ اتنے میں جہاں داد ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

"السلام علیکم۔" اس نے مہذب اور شائستہ انداز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام سر۔" گڑبڑا کر زویاریہ نے بھی سلام کے جواب میں سلام کر دیا۔ جس پہ جہاں داد نے دانستہ توجہ نہیں دی۔

"خاقانی صاحب ہیں گھر پہ؟ انہوں نے بلایا تھا۔"

"جی... بیٹھیے سر۔" وہ جلدی سے قریب آئی۔ اور صوفے پہ بکھرے کشن جمانے لگی پھر اسے دوبارہ بیٹھنے کی پیشکش کرتے ہوئے بولی۔

"پاپا تو ابھی گھر آئے ہی نہیں۔"

جہاں داد سہولت سے صوفے پہ بیٹھ گیا۔ پھر بیٹھ کر اپنی گھڑی دیکھی۔

"حالانکہ انہوں نے یہی ٹائم دیا تھا۔" جہاں داد پریشان ہو گیا۔

"آپ بیٹھیے پاپا آتے ہی ہوں گے۔" زویاریہ بوکھلا کر بولی اور تیسری بار بیٹھنے کی پیشکش کی۔ حالانکہ وہ بیٹھ چکا تھا۔ جہاں داد ہلکا سا مسکرا دیا۔

"ٹیک اٹ ایزی مس زویاریہ! میں آل ریڈی بیٹھ چکا ہوں۔" زویاریہ نروس ہو کر ملازم کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"لال دین۔ یہ کمبل وغیرہ یہاں سے اٹھاؤ۔ اور یہ سب کچھ درست کرو۔" اس نے جھک کر ٹی وی آف کرتے ہوئے ملازم کو حکم دیا۔

اس دوران میں جہاں داد نے پورے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے ڈالا جو امپورٹڈ اور بے حد قیمتی اشیاء سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ ملازم حکم بجا لایا۔ وہ ٹی وی آف کر کے اس کی طرف آئی۔ بلو جینز پہ بلیک ہائی نیک آسمانی اور بلو چیک والی کھلی سی شرٹ پہ میرون سویٹر، سویٹر پہ بلو جینز کی بھاری بھرکم جیکٹ پہنے وہ "تقریباً" بوکھلائی ہوئی سامنے والے صوفے پہ ٹک گئی۔

"جی پاپا آتے ہی ہوں گے۔" اس نے جیکٹ کا بازو سمیٹتے ہوئے مسکرا کر جہاں داد کو تسلی دی۔

جہاں داد نے دلچسپی سے اس کے حلیے کو نوٹ کیا۔ کھسیاتے ہوئے زویاریہ نے بکھری لٹوں کو کانوں کے پیچھے کر لیا۔ اس وقت اسے اپنے الٹے سیدھے حلیے پہ کافی ندامت محسوس ہوئی۔

جبکہ وہ بھی اسی موسم میں رہ رہا تھا۔ صرف براؤن کارڈیگن پہن رکھی تھی۔

"آپ تین چار روز سے کالج نہیں آ رہیں۔ آر یو آل رائٹ؟"

"او... یس۔" زویاریہ جلدی سے بولی۔ "وہ دراصل موسم بہت خراب ہو رہا ہے اور مجھے سردی بہت زیادہ لگتی ہے۔"

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔" جہاں داد خفیف سا مسکرایا۔ زویاریہ شرمندہ ہو گئی۔

(کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آپ نے آنا ہے تو میں آج سب سے اچھا جوڑا پہنتی)

"تو کیا جب تک سردیاں رہیں گی، آپ کالج نہیں آئیں گی؟"

"نہیں، نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔" زویاریہ سنبھل کر بولی۔ "حقیقتاً مجھے بارش کا موسم بہت برا لگتا ہے۔ برسات کے موسم میں میں ضرورتاً بھی گھر سے باہر نہیں نکلتی۔ نجانے لوگ برسات کے موسم کو اتنا انجوائے کیسے کر لیتے ہیں۔" ایسے ہی لفظ بالکل ایسے ہی لفظ ایک دن زہرہ نے بھی کہے تھے۔

"کتنی تیز بارش ہو رہی ہے اور تو ہمیشہ کی طرح اس کوٹھڑی میں چھپی بیٹھی ہے۔ باہر نکل کر دیکھ ہرے بھرے درخت لہلہاتے کھیت اور صاف ستھری گلیاں کس طرح پانی سے دھل گئی ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے

ڈر رہی ہو۔ ذرا دیکھو تو سہی سارے مناظر کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں۔

"مجھے یہیں رہنے دے جہاں داد۔ مجھے اس موسم سے وحشت ہوتی ہے۔" وہ اپنے ہی بازوؤں کے گھیرے میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں لگتا ہے بھرجائی! تجھے بارش کا موسم برا۔" وہ دو زانو اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"دلدار کو یہ موسم بہت پسند تھا تب ہی تو جب وہ اس دنیا سے گیا تو ایسی ہی طوفانی بارشیں ہو رہی تھیں۔ مجھے ایسے لگتا تھا جیسے میرے ساتھ ساتھ زمین آسمان بھی رو رہے ہیں میں نے تو آنسو پونچھ لیے جہاں داد! پھر یہ آسمان بار بار کیوں روتا ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا اس کا رونا۔ بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

اسے ایک ٹک اپنی طرف دیکھتا پا کر دوباریہ اندر ہی اندر سمٹنے لگی۔

"میں انکل ریاض کے ہاں فون کرتی ہوں۔ ہو سکتا ہے پاپا وہاں چلے گئے ہوں۔" اس کی آواز پہ جہاں داد خیالات کی یورش سے باہر نکل آیا۔ دھڑکتے دل کے ہمراہ دوباریہ اس کے سامنے سے اٹھ گئی جہاں داد سنبھل کر بیٹھ گیا۔

وہ نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ادھر سے درشہ نے فون اٹھایا۔

"میں زیجی بول رہی ہوں۔ بس جلدی سے گھر آجاؤ۔"

"ہاں کوئی پرابلم نہیں ہے۔"

"اوہ پاپا۔ کبھی موقع کی نزاکت بھی سمجھ لیا کرو۔ سر آئے ہیں۔ ہاں، ابھی۔ ابھی۔ اسی لیے تمہیں بلا رہی ہوں۔ پاپا بھی آتے ہی ہوں گے۔ دیکھو دیر نہیں ہونی چاہیے۔ جلدی سے آجاؤ بس میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں۔"

"آجاؤ پھر پوچھوں گی تمہیں؟۔"

"اوکے خدا حافظ۔"

وہ فون بند کر کے ڈرائنگ روم میں آئی تو جہاں داد سگریٹ کے دھوئیں میں بظاہر اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ سگریٹ کی ناخوشبو سارے کمرے میں پھیل رہی تھی۔ جو اس وقت ناگوار لگی تھی۔

"میں نے فون کر لیا ہے۔ پاپا آتے ہی ہوں گے۔" وہ ہاتھ سے دھوئیں کو ادھر ادھر کرتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

جہاں داد نے اس کی ناگواری کو محسوس کیا اور معذرت طلب لہجے میں بولا۔

"آئی ایم سوری۔ یہ میری مجبوری ہے۔" ہلکا سا مسکرایا۔ اور پھر انتظار کی کوفت سے بچنے کے لیے مجھے کچھ تو کرنا چاہیے۔

"As you wish sir۔ (اچھا آپ چاہیں)" دوباریہ خود ہی شرمندہ ہو گئی۔

"دراصل پاپا میری موجودگی میں اسموکنگ نہیں کرتے اس لیے مجھے بھی ایسی کسی خوشبو کی عادت نہیں ہے۔"

جہاں داد ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"بنوائے؟"

"ایسے ہی سر۔" وہ کندھے اچکا کر ہنس پڑی۔

"شاید وہ چین اسموکر نہیں ہیں۔" جہاں داد نے سکون سے کہا۔

"ایسا نہیں ہے۔" ایک بار پھر وہ سر جھکا کر ہنس پڑی۔

"پاپا کہتے ہیں۔ دراصل جب کسی بھی قسم کا نشہ مرد کی کمزوری بن جائے تو اسے چاہیے خواتین کے سامنے اس کے استعمال سے گریز کرے کیونکہ اس طرح مرد عورت کے سامنے مجبور نظر آتا ہے۔ اور یہ عورت کی نہیں خود مرد کی تذلیل ہے۔ آخر کار مرد عورت کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اسی لیے اسے ہر قسم کی کمزوریوں اور مجبوریوں سے آزاد نظر آنا چاہیے۔"

ایک لمحے کے لیے جہاں داد اس کی بات سے متاثر نظر آیا پھر مسکرا کر بولا۔

"یعنی اس کا مطلب تو یہ ہوا، مرد کمزوریاں پالے بھی ضرور، اور انہیں چھپائے بھی ضرور۔"

"پاپا کہتے ہیں جو مرد کمزوری چھپانا جانتے ہیں۔ وہ کمزوریوں پہ غالب ہوتے ہیں۔ لیکن جو نہیں چھپا سکتے، کمزوریاں ان پہ غالب ہوتی ہیں۔" جہاں داد کو

دفاع کرنا پڑا۔

"سگریٹ پینا محض میری عادت ہے۔ میں اسے اپنی کمزوری یا نشہ نہیں سمجھتا اور نشہ تو وہ ہوتا ہے جو انسان کو خود سے بیگانہ کر دے۔ No Never"

"نہیں؟ سر جو چیز بار بار اپنی طرف بلائے درحقیقت وہی نشہ ہوتی ہے اس میں ضروری نہیں انسان خود سے بیگانہ ہو۔"

اس نے فوراً" تردید کی' جہاں داد لاجواب ہو کر مسکرا دیا۔

"یہ بات بھی آپ کے پاپا نے کہی ہے؟۔"

"پاپا کہتے ہیں۔ جب آپ کی اہم بات سن کر آپ سے کوئی یہ پوچھے یہ بات کس نے کہی ہے۔ تو آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے 'وہ شخص آپ کو بے وقوف سمجھتا ہے اس لیے وہ آپ کی اہم بات پہ بھی توجہ نہیں دے گا۔"

اس کی بات پہ جہاں داد بے ساختہ ہنس پڑا۔ اور سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولا۔

"آپ کے پاپا جو کچھ بھی کہتے ہیں بہت ہی مناسب اور بہت ہی اچھا کہتے ہیں۔"

(یعنی آپ مجھے بالکل بے وقوف سمجھتے ہیں)

ذوباریہ تاسف سے مسکرا کر رہ گئی۔

اس نے دوسرا سگریٹ سلگا لیا' اور پھر دو تین کش لینے کے بعد پر سوچ انداز میں بولا۔

"مس ذوباریہ!"

ذوباریہ چونک گئی۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟۔"

ذوباریہ کا رواں رواں دھڑک اٹھا' نجانے وہ کیا پوچھنے والا تھا۔ پہلی بار تو وہ اس سے یوں مخاطب ہوا تھا۔

"آپ کے فادر جتنا پیارا کہتے ہیں۔۔۔۔۔ خود۔"

وہ اگلے لفظ کہتے ہوئے جھجک گیا۔

"درحقیقت اتنے پیارے دکھائی نہیں دیتے۔"

ذوباریہ نے اس کی ادھوری بات مکمل کی' دوسرے لفظوں میں اس کی مشکل آسان کی۔

رہی تھی۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" وہ دوسرے ہی لمحے سنبھل گیا۔

"ہی از اے گڈ مین۔ وہ ایک اچھے آدمی ہیں درحقیقت ہر انسان کی اپنی شخصیت ہوتی ہے۔ میں جب پہلی بار ان سے ملا تو مجھے کچھ بھی عجیب نہیں لگا عجیب لگا تو یہ کہ آپ ان کی بیٹی ہیں۔"

اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ذوباریہ استہزائیہ مسکرا دی۔

(یہ کیوں نہیں کہتے سر' جب وہ آپ کو مجھ سے بہت مختلف نظر آئے' عام سے شخص کی خوبصورت اولاد کو دیکھ کر یہ خیال ضرور آتا ہے کہ وہ کس پہ گئی ہے)

"آپ نے میری بات کا برا تو نہیں مانا؟۔"

"بالکل نہیں سر! اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ کیا فائق احمد میرے سگے باپ ہیں۔ مجھے لوگوں کی عقل پہ ہنسی آتی ہے' باپ تو باپ ہوتا ہے۔ نہ سوتیلا نہ سگا" وہ کندھے اچکا کر ہنس پڑی۔

"اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے پاپا میرے سگے پاپا ہیں۔"

جہاں داد اس سے اگلا سوال کرنے کی جرأت نہ کر سکا' ہاں مگر اسے تجسس ضرور تھا کہ اس کی ماں کے متعلق جانے۔ اس سے رہا نہ گیا اور پوچھ ہی بیٹھا۔

"کبھی آپ کی مدر کو نہیں دیکھا؟۔"

ماں کے ذکر پہ ذوباریہ کے دل میں تیر سا پیوست ہو کر رہ گیا۔

(بلاشک و شبہ وہ حسین ترین عورت تھیں۔ لیکن عورت کا حسن صرف اس کی وفا ہوتی ہے بے وفا عورت دنیا کی سب سے زیادہ بد صورت عورت ہے)

"ماما ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔" وہ بہت دیر کے بعد آہستگی سے بولی۔

"اوہ۔ آئی ایم سوری۔" جہاں داد نے اس طرح افسوس کیا جیسے مرے ہوئے شخص پہ کرتے ہیں۔

ذوباریہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر چپ

تعریف قبول کرلی۔ دفعتاً "گاڑی کی آواز آئی۔
وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "لگتا ہے پاپا آگئے ہیں۔"
فائق احمد گھر میں داخل ہوئے تو جہاں داد کو دیکھ کر
شرمندہ ہوگئے۔ Very sorry to keep your waiting
"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔"
انہوں نے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ ان کی شرمندگی پہ
جہاں داد خود شرمندہ ہوگیا۔
"کوئی بات نہیں سر۔"
"السلام علیکم سر!" پیچھے سے ورشہ کی آواز آئی۔
"وعلیکم السلام!" وہ اچانک ورشہ کو دیکھ کر کچھ حیران
ہوا۔
"کیسی ہیں آپ؟۔"
"بہت خوبصورت" آئی مین۔ بالکل ٹھیک آپ
کیسے ہیں؟۔"
"کم از کم آپ جیسا نہیں ہوں۔" اس نے ترکی بہ
ترکی جواب دیا۔
"کیا مطلب؟۔"
"یعنی خوبصورت نہیں ہوں۔"
اس کی بے ساختگی پہ ورشہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
فائق احمد آہستگی سے مسکرا دیے۔
"بیٹھیے پلیز۔ کتنی دیر ہوئی آپ کو آئے ہوئے؟۔"
"بس ابھی کچھ ہی دیر ہوئی ہے۔"
"اور اس عرصے میں ہماری بیٹی نے آپ کو اخلاقاً
چائے یا کافی بھی پیش نہیں کی۔" انہوں نے خالی میز
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ذوباریہ پشیمان ہو کر کھڑی
ہوگئی۔
"اوہ۔ آئی ایم سوری میں بھول گئی تھی۔"
وہ خیال ہی خیال میں اپنے سر پہ جوتیاں مارتے
ہوئے کچن کی طرف جانے لگی۔
درمیان میں جہاں داد بول پڑے۔
"نہیں فائق صاحب پلیز۔ کسی بھی قسم کا تکلف
نہ کیجیے گا۔ اول تو میں چائے کافی پیتا نہیں ہوں۔ مجھے
دوسرے یہ کہ پہلے ہی کافی دیر ہوچکی ہے۔ آپ اس

کام کو سنبھالیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ پہلی بار آئے ہیں۔"
"کوئی بات نہیں سر۔ آخری بار تو نہیں ہے۔ پھر
سہی۔"
"اچھا بھئی ذوباریہ بیٹا آپ ادھر آجائیں۔" فائق
احمد نے آنکھوں پہ عینک لگاتے ہوئے کہا۔
ذوباریہ باپ کے قریب آگئی۔ ورشہ تواضع کے
اہتمام کے لیے کچن میں چلی گئی۔ پھر انہوں نے بیٹی کو
قریب بٹھالیا اور اپنے سامنے فائل کھول لی اور
اسے بریف کرنے لگے۔
ذوباریہ کے کچھ پلے نہیں پڑا۔ بس یہی سمجھ سکی کہ
پاپا اسے کاروبار میں اپنا برابر کا شریک بنانا چاہتے ہیں۔
برابر کے پارٹنر کی کیا ویلیو ہوتی ہے۔ فائدہ نقصان کیا
ہوتا ہے۔ وہ سب اسے آہستہ آہستہ سمجھا رہے تھے۔
"لیکن پاپا اس بات کی ضرورت کیا ہے آپ نے
سنبھال تو رکھا ہے سب کچھ۔" وہ درمیان میں بول
پڑی۔
"کل کو میری آنکھ بند ہوگئی تو۔ تب بھی تو آپ کو
سب ذمے داریاں اٹھانا ہوں گی۔ کیوں نہ آج ہی سے
آپ میرے ساتھ برابر کی سطح پہ کام کرتے ہوئے
سب کچھ سیکھ لیں۔"
"آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔" وہ روہانسی ہوگئی۔
"یہ جذباتی باتیں ہیں۔ حقائق اپنی جگہ اٹل ہوتے
ہیں۔"
"مگر پاپا! مجھے کیا معلوم ان جھنجٹوں کا۔
باسوائے چیک کاٹنے کے مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔"
فائق احمد اس کی بات پہ مسکرا دیے۔
"اکاؤنٹ میں پیسے ہوں گے میری جان تو چیک
کاٹ سکو گی" اور اکاؤنٹ سخت محنت اور لگن سے بھرتے
ہیں۔"
"لیکن پاپا!"
"نو نو۔" فائق احمد نے ہری جھنڈی دکھائی۔
"پلیز سر۔ آپ ہی سمجھائیں ناں پاپا کو۔ میں تو
سب کچھ برباد کردوں گی۔"
It is your domestic and

personal matter what I can do for.

"یہ آپ کا گھریلو اور ذاتی معاملہ ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟" جہاں داد نے لاچاری ظاہر کر دی۔ ذوباریہ بھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"اب آپ یہ فائل لے کر سامنے بیٹھ جائیں۔" فائق احمد مسکرا کر بولے۔ "کسی اچھے اور سمجھ دار ماسٹر کی طرح تمام معاملات میں فی الحال جہاں داد آپ کی مدد کریں گے۔ پھر آہستہ آہستہ آپ کو خود توجہ دینا ہوگی۔ اوکے چلیں۔ اب چھوٹی سی ٹیبل ٹاک ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے" وہ ان کے پاس سے اٹھ گئی اور جہاں داد کے پہلو میں آ بیٹھی۔ فائق احمد نے ایک اور ویسی ہی فائل اپنے سامنے کھول لی۔ اور اس کی ریڈنگ با آواز بلند کرنے لگے۔

ذوباریہ ہونقوں کی طرح باپ کی شکل دیکھنے لگی۔ جہاں داد مسکرا دیا۔

"آپ بھی اپنی فائل کھول لیجئے، تاکہ جو کچھ فائق صاحب بتا رہے ہیں۔ آپ کو اپنی فائل سے ٹیلی کرنے میں آسانی ہو جائے اور سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔"

"اچھا!" اس نے جلدی جلدی فائل کھول لی۔ اور گھور گھور کر کاغذوں کی طرف دیکھنے لگی۔ فائق احمد بڑی روانی سے پراپرٹی، شیئرز، شو کرتے چلے جا رہے تھے۔ پھر اس کے اور اپنے شیئرز علیحدہ علیحدہ بتانے کے بعد ٹوٹل کیش بتایا۔ کمپنی کی سالانہ آمدنی پہ روشنی ڈالی۔ اور یہیں ڈنڈی مار دی۔ جہاں داد نے ذوباریہ کی طرف دیکھا۔ وہ ہر بات پہ یس یس کیے جا رہی تھی۔ بڑے عقل مند اور ذہین لوگوں کی طرح وہ اس کی بے خبری پہ مسکرا دیا اور آہستگی سے اس کے قریب ہو کر بولا۔

"یہ مشکوک صورت حال ہے دوبارہ غور کریں۔"

"اچھا سر!" وہ اس کے توجہ دلانے پہ حواس باختہ ہو گئی۔ دوبارہ غور کیا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ فائل نشاندہی کرنے کی غرض سے تقریباً اس کی طرف جھک گیا اور وہ بالکل اس کی اوٹ میں آ گئی۔

اس کے وجود کی خوشبو اور اس کی قربت کا احساس ذوباریہ کے اندر جنموں کی پیاس بجھنے لگی اسے لگا جیسے پیاسے صحرا پہ مہربان بادل جھک گیا ہو۔

"اس پوائنٹ پہ توجہ دیں۔"

وہ پن کی مدد سے اسے آہستہ آہستہ سمجھا رہا تھا۔ لیکن اس کی توجہ پن پہ نہیں اس کے بھاری بھرکم مردانہ ہاتھوں پہ تھی۔ جن کی انگلیوں اور ہتھیلی کی پشت پہ جا بجا رواں تھا، ہاتھوں کی رنگت قدرے سرخی مائل تھی۔ چوڑے چوڑے صاف ستھرے گلابی ناخن۔ چوڑی سی ہتھیلی پہ لکیروں کا جال۔ یہ ہاتھ ہی صرف تحفظ کا احساس تھے۔ مسلسل اسے نروس محسوس کرتے ہوئے۔ جہاں داد اس کے دفاع میں بول ہی پڑا۔

"یہ چیٹنگ ہے سر! آپ اس پوائنٹ کو دوبارہ دہرائیں۔"

پھر اس نے فائل اٹھا کر اپنے گھٹنوں پہ رکھ لی اور ذوباریہ کو اشارہ کیا کہ وہ اسے نوٹ کرے۔

پھر اسے سمجھانے والے انداز میں اس کی طرف سے بات چیت کرنے لگا۔ ذوباریہ دلچسپی سے اسے اور کبھی اپنے پاپا کو دیکھ رہی تھی۔ ان کی گفتگو کا انداز ایسا تھا جیسے باپ بیٹے کے درمیان برابری کی سطح پہ بات چیت ہوتی ہے۔ اس کے دل میں یک لخت انجانی سی خواہش نے جنم لیا۔ اور پھر اس نے بڑی سہولت سے اس رشتے میں خود کو مقید کر لیا اور دوبارہ صورت حال نوٹ کی۔

سسر اور داماد کے درمیان ہونے والی گفتگو اس سے بھی کہیں زیادہ دلچسپ تھی۔

اسی دوران ورشہ ٹرالی لے آئی، اس نے فرداً فرداً تمام اشیاء میز پر رکھیں، اس قدر اہتمام پہ جہاں داد چکرا گیا۔ گاجر کا حلوہ، فروٹ کیک، ابلے ہوئے انڈے، ڈرائی فروٹ، سموسے، آخر میں وہ دودھ کا جگ رکھتے ہوئے بولی۔

"آپ چائے کافی تو پیتے نہیں سر۔ اس لیے میں دودھ لے آئی ہوں۔ کیونکہ بنا مشروب کے تواضع کیسی

ہی ہو جائے پُرلطف نہیں آئے۔"

اس نے دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ جہاں داد کچھ جھینپ سا گیا۔ کیونکہ شہر میں دودھ کی تواضع اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"گھبرائیے نہیں سر! میں آپ سے دودھ پلائی ہرگز نہیں لوں گی۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے' صبح کلاس میں آپ میری "جوتا چھپائی" بھی کر سکتے ہیں۔" اس کے مذاق پہ ذوباریہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے

جبکہ فائق احمد کے ہمراہ جہاں داد آہستہ سے ہنس پڑا۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازیگر کھلا

فارینہ نے اس کے ساتھ چلتے چلتے شعر پڑھا پھر اپنا بازو مار کر اس کی کتابیں گرا دیں۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" وہ جو اپنی سوچوں میں چل رہی تھی اس کی اس نازیبا حرکت پہ جھنجلا گئی۔ اور جھک کر کتابیں سمیٹنے لگی۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

فارینہ بھی دوزانو اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"واٹ ڈو یو مین؟" اس نے سر اٹھا کر فارینہ کی طرف دیکھا۔

کبھی بات سے بھی ہو جاتے ہیں برہم احباب
دوستی اک بڑا نازک سا ہنر ہوتی ہے

وہ ترشیدہ بالوں کو جھٹک کر بولی۔

ذوباریہ نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے نقوش پڑھنے کی کوشش کی۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔"

یہ بات خاص نہیں پتھروں کی بستی تھی
نہ پوچھ ٹوٹ گیا دل کا آئینہ کیسے

"تم ڈھنگ سے بات نہیں کر سکتیں؟" ذوباریہ کو اس کے اشعار سے الجھن ہوئی۔ تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

عشق نے سکھلائی ہیں یہ سب سازشیں
وگرنہ دل تو اتنا باہنر نہ تھا

ذوباریہ کتابیں سمیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"لگتا ہے کوئی نیا پنچھی پھنسا رہی ہو۔" اس نے نخوت سے کہا۔

فارینہ تلخی سے ہنس پڑی۔

جس راہ پہ چلنے سے ہمیں روکتے تھے احباب
اس راہ پہ چل رہے ہیں وہ آج خود ہمارے ساتھ

ذوباریہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اور لمحے کی چوتھائی میں اس کا مفہوم سمجھ گئی۔

فارینہ اس کے قریب آئی اور اپنے گلے کی زنجیر کو انگشت شہادت پہ لپیٹتے ہوئے بولی۔

دل کو کہاں قبول رواجوں کے فیصلے
دل تو محبتوں کے قبیلے کا فرد ہے

پھر وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"یہ تعلیمی مقابلہ نہیں ہے ذوباریہ احمد! جس میں تم ہمیشہ کی طرح ٹاپ کر جاؤ گی۔ یہ دلوں کی جنگ ہے۔ ضروری نہیں اس بار بھی سہرا تمہارے ہی سر سجے۔"

اور پھر وہ تیزی سے اس کے سامنے سے گزر گئی' ذوباریہ کو اس کی ایڑی کی گونج ہتھوڑے کی مانند سنائی دے رہی تھی۔

* * * *

صبح تک موسم ٹھیک ہی تھا۔ نہ جانے اب کیا آفت آگئی ہے۔ ذوباریہ نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے جھنجلا کر کہا اور وائپر سے ونڈ اسکرین صاف کرنے لگی۔

"معاً" دونوں کی نگاہ جہاں داد پہ پڑی۔ وہ سخت جھنجلائے ہوئے انداز میں بائیک اسٹارٹ کر رہا تھا۔

ایک عجیب طرح کی الجھن اور کوفت اس کے چہرے سے ہویدا تھی "یہ اس برستے مینہ میں بائیک پہ کہاں جائیں گے۔" ذوباریہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

"تم کہو تو میں چھتری لے کر ان کے پیچھے بیٹھ جاتی ہوں۔ ساتھ ساتھ اپنے دوپٹے سے ان کا پسینہ بھی پونچھتی رہوں گی۔ ہو سکتا ہے' میری موجودگی میں انہیں پسینہ آنے لگے۔"

ورشہ نے اس کی تشویش سے لطف اٹھایا۔

"کبھی سنجیدہ نہ ہونا۔" ذوباریہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"لگتا ہے۔ ان کی بائیک کچھ پرابلم کری ایٹ کر رہی ہے۔"

ورشہ نے گھوم کر دیکھا۔ مسلسل کوشش کے باوجود بائیک اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔

"کہو تو آفر کروں۔" ورشہ نے ذوباریہ کی طرف دیکھا۔

"تمہاری مرضی ہے۔" ذوباریہ نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیے لیکن اس کے چہرے سے آمادگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"منافق!" ورشہ ہنس پڑی۔ ذوباریہ نے اس کے قریب جا کر گاڑی روک لی۔

"آیئے سر! ہم آپ کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔" ورشہ نے گاڑی سے جھانک کر کہا۔

جہاں داد ٹھٹک کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور مسکرا کر بولا۔

"شکریہ۔ میں ابھی "ڈراپ" نہیں ہونا چاہتا۔" اس کے جوابی جملے پہ ورشہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"چلیے ہم آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دیتے ہیں۔"

"نہیں شکریہ تھوڑی دیر تک یہ اسٹارٹ ہو ہی جائے گی۔"

"ہو سکتا ہے سر! اس کا موڈ آج خراب ہو۔ اور یہ آپ کو لے جانا نہ چاہتی ہو پھر موسم بھی بہت خراب ہو رہا ہے۔"

"وفادار سواری سوار کو حادثے سے بچانا چاہتی ہو تو یونہی چپ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ زیادہ زبردستی نہ کریں۔ اور آجائیں۔"

جہاں داد اس کی دلیل پہ مسکرا دیا۔

"آپ دوسرے کو بہت جلدی قائل کر لیتی ہیں۔ یہ صفت ہر شخص میں نہیں ہوتی۔ آپ لوگ گاڑی باہر نکالیں میں بائیک محفوظ مقام پہ کھڑی کر کے آتا ہوں۔"

وہ باہر آیا تو وہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

جہاں داد انہیں پچھلی سیٹوں پہ دیکھ کر حیران ہوا۔

"ہم نے سوچا سر! ہم دو خواتین آگے بیٹھیں اور آپ پیچھے کچھ معیوب سا لگتا ہے۔ اس لیے ہم نے آپ کے لیے فرنٹ سیٹ خالی کر دی۔ اور پھر اخلاق کا تقاضا بھی یہی ہے مرد کی موجودگی میں خاتون کو گاڑی نہیں چلانی چاہیے۔"

ورشہ نے وضاحت کی تو جہاں داد مسکرا کر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔

"پرانے زمانوں میں بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے وزیر اور دربان ہمیشہ مختلف مختلف حربے استعمال کرتے تھے۔ لیکن خال ہی انہوں نے ڈھنگ کے کام کیے۔ اور ہمیشہ ایسی ہی غلطی کی یعنی اخلاق کے تقاضے نبھا کر آپ نے مجھے اپنا ڈرائیور بنا لیا۔"

ورشہ اور ذوباریہ دونوں ہی پشیمان ہو گئیں۔

جہاں داد نے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ یعنی اس بات کا مطلب یہی تھا کہ پیچھے سے کوئی آگے آجائے۔ ورشہ اپنی جگہ ہی بیٹھی رہی۔

طوعاً" کرہاً" ذوباریہ آگے آکر بیٹھ گئی۔

جہاں داد نے گاڑی اسٹارٹ کی ساتھ ہی ورشہ بھی اسٹارٹ ہو گئی۔

"کتنا خوبصورت موسم ہو رہا ہے سر! آپ کو یہ موسم کیسا لگتا ہے؟"

"بہت اچھا۔"

"مجھے بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ لیکن ذوباریہ کو اچھا نہیں لگتا۔"

"آپ کا اس موسم میں کیا دل چاہتا ہے؟۔"

(ایسے موسم میں میرا دل میرے پاس نہیں ہوتا)

"بس یہی کہ اس موسم کو انجوائے کریں۔"

"میرا بھی یہی دل چاہتا ہے۔ لیکن ذوباریہ کا دل ایسا نہیں چاہتا اچھا یہ بتائیں۔ آپ کو دن کی بارش اچھی لگتی ہے یا رات کی؟۔"

"لمحہ کوئی سا بھی ہو، بارش تمام وقت خوبصورت کر دیتی ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے مگر ذوباریہ کا یہ خیال نہیں ہے۔"

"بات سنیں، آپ میرا انٹرویو لے رہی ہیں۔ اپنے

بارے میں بتانا چاہتی ہیں۔ یا ہم دونوں سے ذوباریہ کو کمپیئر کر رہی ہیں؟"

"حقیقتوں ہی باتیں سمجھ لیجیے سر۔" ورشہ کھسیا کر بے ساختگی سے ہنس پڑی۔

"باتیں کرتے ہوئے سفر اچھا کٹ جاتا ہے۔ کیوں ذوباریہ!"

"جی ہاں۔ خیبر سے کراچی تک فاصلہ جو طے کرنا ہے۔" ذوباریہ کے بجائے جہاں داد نے مسکرا کر جواب دیا۔

ورشہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ذوباریہ کو بھی اس بات پہ ہنسی آ گئی۔ اس نے کھڑکی کی جانب منہ کر لیا۔

"آپ نے اپنے بارے میں بھی بتایا نہیں سر! آئی مین آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ کی ہسٹری کیا ہے؟"

"وہی جو ہر انسان کی ہے۔ متنازعہ سی۔ ڈارون کی تھیوری کچھ اور تھی۔ دوسرے مفکرین کی کچھ اور۔ بہرحال یہ تو طے ہے میں بھی باغِ بہشت سے نکالا ہوا انسان ہوں۔"

"سر! آپ نے مجھے اس وقت ٹال دیا ہے۔"

"پھر ٹھیک آپ ٹل جائیں۔" وہ ہنس پڑا۔ اور پھر چیدہ چیدہ اپنے بارے میں بتانے لگا۔

"اوہ اچھا۔ تو گویا آپ پیچھے سے فیوڈل ہیں۔"

"فی الحال تو میرے پیچھے آپ ہیں۔" اس نے سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ورشہ ہنس پڑی۔

"پھر تو سر! آپ کے گاؤں کا ماحول بالکل پنجابی فلموں جیسا ہوتا ہوگا۔"

"پتا نہیں۔ میں پنجابی فلمیں نہیں دیکھتا۔"

"مگر سر! ذوباریہ کو تو پنجابی فلمیں بہت اچھی لگتی ہیں۔"

جہاں داد نے بیک مرر میں دیکھا۔

دوسرے ہی لمحے ورشہ سنبھل گئی۔

"میرا مطلب ہے سر! ان فلموں کی کوئی حقیقت نہیں اور میں آپ کو بتاؤں اسے پنجابی فلم "وسیلہ" بہت ہی زیادہ پسند ہے۔"

اس کے نان اسٹاپ شروع ہونے پہ ذوباریہ اضطراری کیفیت میں ہاتھ مسل رہی تھی۔ جہاں داد کی اچانک ہی اس پہ نگاہ پڑی۔ تو ذوباریہ نے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

"اچھا!" جہاں داد ہنس پڑا۔

"بظاہر آپ کی سہیلی کی نصیحت سے لگتا تو نہیں کہ وہ مجھے پسند ہوں۔" اس نے پہلی بار اس کے لباس پہ چوٹ کی۔

ذوباریہ کو اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔ بات وہ کسی اور طریقے سے بھی کہہ سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے یہی سوچا کہ آئندہ وہ ایسا لباس نہیں پہنے گی۔

"آج آپ کی سہیلی بول نہیں رہیں؟" جہاں داد کو اچانک اس کی خاموشی کا احساس ہوا تو پوچھ بیٹھا۔

"بے چاری کی کئی روز سے نیند کم ہے۔" ورشہ نے مونگ پھلی کے چھلکے باہر پھینکے۔

ذوباریہ اندر ہی اندر تلملا گئی۔

"بس سر! مجھے یہیں اتار دیں۔"

"یہاں؟ کہاں؟" ذوباریہ نے مڑ کر دیکھا۔

"تائی کے ہاں جانا ہے مجھے۔" اس نے ذوباریہ کو آنکھ ماری۔ اس کی بے باکی پہ ذوباریہ کا دم نکل گیا۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ جہاں داد گاڑی ایک سائیڈ پہ کرنے میں مصروف تھا۔

ورشہ گاڑی سے باہر نکل گئی۔

"اچھا سر! میں چلتی ہوں۔ میری سہیلی کو حفاظت سے گھر چھوڑ دیجیے گا۔"

"بڑی دلچسپ لڑکی ہے یہ۔" جہاں داد نے گاڑی موڑی۔ ذوباریہ مسکرا کر رہ گئی۔

راستہ خاموشی سے طے ہونے لگا۔

ذوباریہ کا دل چاہا کہ وہ اس سے کوئی بات کرے۔ کوئی مختلف سی انوکھی سی بات۔ جو اس کی چاہت کے مطابق ہو۔ لیکن وہ چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا۔ اس کی لاپروائی پہ ذوباریہ من ہی من میں کہنے لگی۔ (ایسی بھی کیا لاتعلقی سر! ایک حسین ترین لڑکی آپ کے پہلو میں بیٹھی ہو اور آپ کو احساس ہی نہ ہو)

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ معاً اس کی نگاہ فارینہ پہ پڑی۔ اس کی گاڑی تقریباً "معمولی

فاصلے پہ ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ جیسے ہی آنکھیں چار ہوئیں۔ فارینہ نے لمحوں کی چوتھائی میں گاڑی آگے بڑھالی۔

اپنی اس فتح مندی پہ ذوباریہ کے چہرے پہ سرشاری سی عود آئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا وجود جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس کا من تو پیاسا کا پیاسا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے جہاں داد کو دیکھا۔

وہ بڑے اطمینان سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ سلگتے ذہن کے ہمراہ اس نے بھی سامنے اسکرین پہ نظریں جمادیں۔

ذرا سے سفر کے بعد جہاں داد کا گھر آ گیا۔

اس نے گاڑی کی اسپیڈ دھیمی کر دی۔ پھر ذوباریہ کی طرف دیکھا۔

"اب کیا کریں؟۔"

"سر! آپ جایئے۔ میں چلی جاؤں گی۔" ذوباریہ نے آہستہ سے مسکرا کر کہا۔

جہاں داد نے موسم کی طرف دیکھا۔

بجلی کی گرج چمک کے ساتھ گھنگھور گھٹائیں چھاجوں چھاج برستا ہوا مینہ، جس کی وجہ سے سڑکیں لبالب پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

موسم کی شدت کی وجہ سے ٹریفک کی آمدورفت بھی برائے نام تھی۔

"چلئے آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دیتے ہیں۔"

اس نے کچھ سوچ کر گاڑی آگے بڑھادی۔

"سر! میں چلی جاتی۔" ذوباریہ تکلف سے گویا ہوئی۔

"کوئی بات نہیں۔ ذرا ہی سا تو فاصلہ ہے؟۔"

"لیکن سر! پھر آپ واپس کیسے آئیں گے؟۔"

"میرا مطلب ہے اتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ آپ کو واپس آنے میں دقت ہوگی۔"

"اگر ہم اسی بحث میں الجھے رہے 'پہلے آپ' 'پہلے آپ' تو سارا دن یونہی گزر جائے گا۔ اور فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔"

اس نے گاڑی اس کے گھر کے سامنے روک لی۔

ذوباریہ گاڑی سے اتر گئی۔

عمران ڈائجسٹ کے وہ مقبول سلسلے جن کا آپ کو بےچینی سے انتظار تھا اب کتابی صورت میں شائع ہو گئے ہیں

مہارانی ایک چمارن کی کہانی جس نے تہلکہ مچا رکھا تھا۔ کوئی بھی اس کے داؤ سے نہ بچ سکتا تھا، ۳ حصوں پر مشتمل ہے،

نروان کی تلاش غضب ڈھا دینے والا ایک پراسرار سلسلہ۔ کتابی شکل میں آتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ ۴ حصوں پر مشتمل،

سلابو ۲ حصوں پر مشتمل ایک زبردست کتاب، ضرور پڑھئے،

پراسرار علوم کا ماہر ایک پراسرار شخص کی داستان اس کی اپنی زبانی سے مکمل کتاب،

چمپا کلی مہارانی کی طرح چمپا کلی نے بھی جانے کتنوں کو تباہ کر دیا اور کیا کیا گل کھلائے، مکمل ایک کتاب،

مہاراجہ وہ شیر سے زیادہ خوفناک تھا، ایک عبرتناک داستان، ضرور پڑھئے، ایک کتاب میں مکمل،

مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۳۴- اردو بازار کراچی

"آیئے سر! اندر چلیے۔"

"نہیں، شکریہ۔ میں چلتا ہوں ڈرائیور کو بھیج کر گاڑی منگوا لیجئے گا۔" وہ گاڑی لے کر آگے بڑھ گیا۔ ذوباریہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

ہوا کا تیز تھپیڑا اس کے وجود سے ٹکرایا۔ تو تن بدن میں کپکپی سی چھوٹ گئی۔ بارش کے قطروں کو بالوں سے جھٹکتی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی پہلی بار یہ بوندیں آج اسے کسی رازدار سہیلی کی طرح پیاری لگ رہی تھیں۔

زندگی میں پہلی بار وہ نسوانی طرز پہ تیار ہوئی تھی۔ جدید تراش خراش سے سلی کالی شنیل کی قمیض شلوار جس پہ سفید ننھے ننھے چمک دار نگ جڑے ہوئے سیاہ آسمان پہ ستاروں کی مانند لگ رہے تھے۔ ہم رنگ جاپانا سلک کا پیارا سا دوپٹہ، گلے میں سفید موتیوں کی لڑی، کانوں میں تین تین انچ کے نفیس ٹوپس جو سفید نگوں کی ایک ایک لڑی پہ مشتمل تھے اور اس کی لمبی گردن کو مزید نمایاں کر رہے تھے۔ بالوں کا جوڑا کرنے کے باوجود اس کے تمام کٹے ہوئے بال بے حد خوبصورتی سے پیشانی اور چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔

لائٹ میک اپ میں اس کے تمام خوبصورت نقوش ایکدم واضح ہو گئے تھے۔

آج اس نے زندگی کو بہ نفس نفیس مدعو کیا تھا۔ لیکن کسی وقت کی گھڑیاں صدیوں کی رفتار سے سفر طے کر رہی تھیں۔ اور وہ دشمن جاں ابھی تک نہیں آیا تھا۔ پیغام دینے والی ورشہ تھی۔ لیکن وہ بھی دوسرے فون پہ سن رہی تھی۔

"سر ذوباریہ کا کل جنم دن ہے۔ وہ آپ کو انوائیٹ کرنا چاہتی ہے۔"

"آئی ایم سوری میں مصروف ہوں۔"

"کوئی بات نہیں سر! اپنی مصروفیت میں سے چند گھڑیاں ہمیں دے دیجئے۔ آپ کا زیادہ نقصان نہیں ہو گا۔"

"مگر مس ورشہ۔"

"سر! آپ نے کہا تھا۔ میں لوگوں کو بہت جلد قائل کر لیتی ہوں۔ اس لحاظ سے آپ کا انکار بے اثر ہو گا۔"

جہاں داد ہنس پڑا۔

"پھر سر! آپ آ رہے ہیں ناں؟"

ذوباریہ کا روم روم اس کے جواب کا منتظر و مشتاق تھا۔

"یہ فنکشن کس سطح پہ سلیبریٹ کر رہے ہیں آپ لوگ؟"

"بس سر! ذوباریہ کے تمام فرینڈز ہوں گے، بمع آپ کے۔" تھوڑی دیر وہ چپ رہا۔

"چلیے آپ نے اگر دشمنوں کی فہرست سے نام کاٹ کر دوستوں کی لسٹ میں جمع کر لیا ہے تو مجھے آنا ہی پڑے گا۔"

"تھینک یو سو مچ سر! ہم آپ کا انتظار کریں گے۔"

کس قدر طویل انتظار تھا۔ روح کو کھینچ لینے والا۔ محض انتظار ہی نہیں۔ بلکہ کشمکش کا پل صراط۔ وہ آئے گا یا نہیں۔

اس نے آخری بار ہال کے بیرونی دروازے پہ نگاہ ڈالی۔ اور مایوس ہو کر ہاتھوں کے حلقے پہ سر ٹکا لیا۔

جہاں داد ہال میں داخل ہوا۔ تو اسے کوئی بھی آشنا چہرہ دکھائی نہیں دیا۔ لیکن اس کے باوجود باوردی شوفر اسے اپنی ہمراہی میں مطلوبہ مقام تک لے آیا۔ میز پہ دوسری ڈیکوریشن کے علاوہ موم بتی روشن کی تھی۔

ایک کونے پہ وہ میز سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔

جہاں داد اس کے قریب آ گیا اور آہستہ سے ٹیبل بجائی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا، اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر رہی تھیں۔ یا کینڈل کی روشنی اس طرح پڑ رہی تھی کہ وہ چمکتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں سکا۔

وہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"آیئے سر! بیٹھیے۔"

فطری سی بات تھی جہاں داد کی بے ساختہ نگاہ اس

کے سراپے سے الجھی اور ذوباریہ تتلی کی طرح پھیلے گئی۔

"جنم دن مبارک ہو۔" اس نے پھولوں کا بکے اس کی طرف بڑھادیا۔

"تھینک یو سر!" اس نے پھول اس طرح قبول کیے جیسے نکاح ایجاب قبول کیا ہو۔

"ابھی تک کوئی نہیں آیا؟" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

ذوباریہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"شاید موسم کی خرابی کی وجہ ہے۔" اس نے ٹالا جہاں داد مسکرادیا۔

"حیرت کی بات ہے کیا آپ کے گیسٹ سیٹلائیٹ سے سفر کرتے ہوئے آرہے ہیں جو مواصلاتی نظام میں خرابی کی وجہ سے پہنچ نہیں پائے۔"

ذوباریہ کھسیا کر ہنس پڑی۔

"ویسے آج موسم خراب نہیں بہت اچھا ہو رہا ہے۔"

جہاں داد نے شیشوں کے باہر برستے ہوئے کہر کو دیکھا اور موم بتی کی لو کو چٹکی سے پکڑنے لگا جو اسے ہمیشہ دلچسپ کھیل لگتا تھا۔

"ٹھنڈ اتنی ہے کہ تپش لگ ہی نہیں رہی۔" وہ جیسے مسکراتے ہوئے خود سے مخاطب تھا۔

(احساسات سرد ہوں تو محبت کی گرمی بھی یونہی بے اثر ہوتی ہے) ذوباریہ سوچ کر رہ گئی۔

"سر! آپ آگ سے کھیل رہے ہیں۔"

"آگ سے کھیلنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ لیکن تب تک۔" اس نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔ "جب تک ہاتھ نہ جلیں۔"

ذوباریہ نے تحیر سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ سگریٹ نکال کر سلگا رہا تھا۔

(جو آگ کا شعلہ ہونٹوں پہ رکھتا ہو اسے آگ سے کھیلنے میں واقعی مزہ آتا ہوگا)

"میڈم! آپ کا فون ہے۔" ویٹر نے پیغام دیا۔

وہ معذرت کے ساتھ اٹھ کر چلی گئی۔ جہاں داد اکیلا سگریٹ پھونکتا رہا۔

"سر! کھانا لگوا دوں؟" ہوٹل کے مینجر نے آکر پوچھا۔

"پھر باقی لوگ تو ابھی آئے نہیں۔" جہاں داد نے جواب دیا۔

"لیکن سر! یہ ٹیبل تو صرف دو افراد کے لیے بک ہے۔ اور مینو بھی دو افراد کے مطابق تیار ہوا ہے۔ میڈم تو صرف آپ کا ہی انتظار کر رہی تھیں۔"

جہاں داد ٹھٹک سے اٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے آپ جائیں۔ جب ضرورت ہوگی منگوالیں گے۔" مینجر چلا گیا۔

ذوباریہ فون سن کر آئی وہ بے حد پریشان تھی۔ کیا جو کچھ ورشہ نے کہا تھا۔ کیا وہ کہہ سکے گی۔ وہ کرسی دھکیل کر بیٹھ گئی۔

"کس کا فون تھا؟" جہاں داد نے دھواں اڑایا۔

"سر! ورشہ کا تھا معذرت کر رہی تھی نہ آنے کے لیے۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"اور باقی لوگ۔ وہ بھی باری باری معذرت کے لیے فون کردیں گے۔ ظاہر ہے۔ ٹیبل ہی دو افراد کے لیے بک ہے۔ وہ بن بلائے آئیں گے بھی کیسے؟"

ذوباریہ نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہوگیا۔

"مجھے بے وقوف بنا کر جس قسم کا لطف آپ نے لیا ہے یہ یقیناً آپ کی فتح ہے۔ اور میں اس کے علاوہ کیا کہہ سکتا ہوں۔"

وہ آگے بڑھ گیا۔ ذوباریہ اس کے پیچھے آئی۔ اور اس کا بازو پکڑ لیا۔ پھر بے حد روہانسی ہو کر بولی۔

"پلیز سر! میری بات سنیں ایسا نہ کریں۔ سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔ یہ میری انسلٹ ہے۔" وہ باقاعدہ رو دینے کو تھی۔

جہاں داد نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑالیا۔ اگر آپ کو عزت یا بے عزتی کا خیال ہوتا تو میرے بارے میں بھی سوچتیں وہ تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا۔ ذوباریہ کا

اس ماحول میں رکنا محال تھا۔ اس نے پرس میں سے کئی نوٹ نکال کر میز پہ رکھے۔ اور تیزی سے باہر نکلنے لگی۔ لیکن جیسے ہی فارینہ پہ نگاہ پڑی اس کے قدم رک گئے۔ فارینہ کے ہاتھ میں کیمرہ تھا' اور وہ بڑے پرسکون انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" ذوباریہ تقریباً چکرائی۔

"کیا تم نے ہوٹل میں موجود اور افراد سے بھی یہی پوچھا تھا۔" کیکھا سا جواب ملا۔

"آئی مین' یہ کیمرہ۔" اس نے الجھتے ہوئے کیمرے کی طرف دیکھا۔

فارینہ ہنس پڑی۔

"میری فیملی آئی ہوئی ہے میرے ایک کزن کی سالگرہ ہے۔ دراصل یہ اس لیے ہے۔ ویسے میرے کیمرے کا رزلٹ ہمیشہ اچھا آتا ہے۔ آئی مین' جو کچھ دیکھتا ہے' وہی بتاتا ہے۔ ردوبدل نہیں کرتا۔ ویسے تم آج بہت مختلف اور اچھی لگ رہی ہو۔ کہو تو ایک تصویر بنا دوں۔"

"اوہ' شٹ اپ۔" ذوباریہ جھنجلا کر تیزی سے آگے بڑھ گئی فارینہ دل ہی دل میں مسکرانے لگی۔

(ان تصویروں سے تو ذوباریہ احمد وہ فرشتہ بے نقاب ہو گا' جو خود کو بڑا عالم دین سمجھتا ہے۔ میں معمولی لڑکی نہیں تھی' جہاں داد ملک جسے تم نے یہ کہہ دیا تھا "مجھ جیسی لڑکیاں کپڑوں کی طرح تبدیل تو کی جا سکتی ہیں دلوں میں بسائی نہیں جاتیں" میں نے تو تمہیں پتھر سمجھا تھا۔ لیکن اس پتھر میں اتنی گنجائش کہاں سے نکل آئی۔ اس کے آورش ذوباریہ احمد تمہارے لیے اور میرے لیے اور کیوں ہیں۔ حالانکہ اتنا فرق تو نہیں ہم میں لیکن خیر۔ تمہاری امانت ہے یہ۔ تم تک ضرور لوٹے گی۔ میرے ہاتھوں سے نہیں۔ اوروں کے ہاتھوں سے)

فارینہ نے کیمرہ سنبھال کر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

وہ پیریڈ لے کر کلاس روم سے باہر نکلا تو طلبہ و طالبات کا جم غفیر اس کے ارد گرد جمع ہو گیا۔

"مبارک ہو سر۔" سب ہی نے مسکرا کر دھکیل دے رہے تھے۔

"بھئی کس بات کی؟" اس نے اچنبھے کا اظہار کیا۔

"آپ کی منگنی ہو گئی سر؟"

"مگر کس سے؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہیں نہیں سر! ذوباریہ احمد سے اور کس سے۔" اسٹوڈنٹس اس سے بھی مذاق کرنے لگے۔

"شی از ریلیئنٹ گرل' اور وہ اتنی ہی وفا شعار بیوی ثابت ہو گی۔"

"واٹ نان سینس یہ کیا بکواس ہے۔" وہ سچے سے اکھڑ گیا۔ "ایک فضول بات پہ آپ لوگوں نے کیسے یقین کر لیا؟"

"سر! یہ فضول بات ہے۔ تو پھر یہ تصاویر کیسی ہیں؟" ایک طالب علم نے تصاویر اس کی طرف بڑھائیں۔

وہ تصویریں دیکھ کر گنگ رہ گیا۔ بنانے والے نے کس قدر ڈرامائی انداز میں پوز فریز کیے تھے۔

پھول پیش کرتے ہوئے' ایک ساتھ بیٹھے ہوئے' ہنستے ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک تصویر میں ذوباریہ اس کا بازو پکڑے کھڑی تھی۔ حالانکہ یہ صورت حال کچھ اور تھی لیکن دکھائی کچھ دے رہی تھی۔ وہ دانت پہ دانت جمائے ایک ایک تصویر دیکھتا رہا۔ اور پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

"بکواس ہے یہ سب کچھ۔"

(باقی آئندہ)

میمونہ خورشید علی

تیری آنکھوں میں کھو گئے

مکمل ناول

زوباریہ ایک بہت بڑے صنعت کار فائق احمد کی اکلوتی بیٹی تھی۔ قدرت نے اس کو جہاں بے پناہ حسن سے نوازا تھا' وہاں ذہانت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ کالج میں پڑھائی سے لے کر دیگر سرگرمیوں تک وہ ہر میدان میں اول تھی۔ بے حد بولڈ اور حاضر جواب زوباریہ دو منٹ میں مقابل کے چھکے چھڑا دیتی تھی۔

جہاں داد کالج کا نیا لیکچرار تھا۔ وہ ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ مردانہ وجاہت کا بھی مکمل نمونہ تھا۔ کالج میں آتے ہی وہ تمام لڑکیوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ زوباریہ نے اسے زیر کرنے کی کوشش کی لیکن جہاں داد قطعاً" متاثر نہ ہوا۔ اس کی مضبوطی اور مردانگی کے آگے زوباریہ اپنا دل ہار بیٹھی۔

جہاں داد ایک بڑے زمین دار کا بیٹا تھا۔ اس کا ایک ہی بڑا بھائی تھا۔ جو شادی کے ایک سال بعد ہی ایک ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گیا۔ اس کی بھابھی زہرہ جو صرف سولہ سال کی تھی' بیوہ ہو گئی۔ جہاں داد اس وقت آٹھ دس سال کا لڑکا تھا۔

وہ زہرہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ جہاں داد جوان ہوا تو اس نے جذبوں سے وہ مراد ملک الحق ... کیا۔ وہ زہرہ کو بے نام کا تحفظ دینا چاہتا تھا اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ گاؤں کی روایت کے مطابق ناممکن بات تھی۔ جہاں داد نے اپنے جذبوں کا اظہار کیا تو گاؤں میں بھونچال آ گیا۔ خود زہرہ اس کی اس محبت کو وقتی جذبہ اور جوانی کی آنچ سمجھتی تھی۔ جہاں داد نے جب ڈی سی اور معتبر علماء کی مدد سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ بیوہ کی شادی نہ کرنا سراسر ظلم و زیادتی اور خلاف شرع ہے تو اس کا باپ اکبر ملک جتھے سے اکھڑ گیا۔ اس نے کہا کہ جہاں داد بھائی کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے زہرہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

جہاں داد نے کہا کہ وہ اپنے زور بازو سے کمائے گا اور ثابت کرے گا کہ اسے صرف زہرہ کی محبت درکار ہے دولت نہیں۔

اکبر ملک نے اسے چیلنج کیا کہ جس دن وہ کمانے کے لائق ہو گا۔ اس دن کسی اور لڑکی سے شادی رچائے گا اور اگر وہ کما کر بغیر شادی کیے لوٹ آیا تو زہرہ اس کی ہو گی۔

جہاں داد کو زہرہ سے محبت تھی اس نے بہت دھکے کھانے کے بعد کالج کی ملازمت حاصل کی تھی۔ اب وہ چاہتا تھا۔ وہ وہیں جا کر اپنی محبت حاصل کرے۔ لیکن ذوباریہ اس کے راستے میں آ گئی تھی اور ہر قیمت پر جہاں داد کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔

ذوباریہ کی ماں غیر معمولی حسن کی مالک تھیں۔ جبکہ والد فائق احمد بہت معمولی شکل کے تھے۔ ذوباریہ کی ماں نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ جس کا ذوباریہ کو بے حد صدمہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مرد کو ہر لحاظ سے عورت سے برتر ہونا چاہیے تاکہ عورت ادھر ادھر نہ دیکھ سکے۔ جہاں داد اس کے اس معیار پر پورا اترتا تھا۔

جہاں داد اس کے باپ فائق احمد کے آفس میں پارٹ ٹائم ملازمت کرتا تھا۔ ذوباریہ نے جہاں داد کو ہوٹل میں اپنی سالگرہ پہ مدعو کیا تو ذوباریہ کی کلاس فیلو فارینہ نے اس کی ذوباریہ کے ساتھ تصویریں بنا لیں اور پورے کالج میں تقسیم کر دیں۔

جہاں داد ان تصویروں کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔

دوسری اور آخری قسط

وہ دانت پیستا جہاں ایک ایک تصویر دیکھتا رہا۔ اور پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

"کیونکہ یہ سب کچھ۔"

"حیرت کی بات ہے سر! پھر اس قربت کو محض وقت گزاری سمجھا جائے۔" کسی طرار طالبہ نے مذاق اڑایا۔ اس نے خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ انکار کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔" "ویسے کلنٹن اور مونیکا اسکینڈل کی طرح یہ اسٹوری بھی خاصی دلچسپ لگتی ہے۔"

لڑکی مسکرا کر بولی۔ اس کے تن بدن میں چنگاریاں سلگ گئیں۔ عالم طیش میں وہ ہجوم چیرتا ہوا نکل گیا۔ لیکن اسٹوڈنٹس کے ریمارکس اس کی سماعتوں پہ ہتھوڑے کی مانند برستے رہے۔

"کالج میں ہمیشہ ہر میڈل ذوباریہ ہی حاصل کرتی آئی ہے۔ اسی لیے ہمیں سو فیصد یقین تھا۔ یہ گیم بھی ذوباریہ ہی جیتے گی۔"

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ذوباریہ کے علاوہ یہ بازی کوئی اور لے جاتا۔ ذوباریہ اڑائے ونر۔ یہ بازی ذوباریہ کو ہی جیتنا تھی۔"

کلاس روم سے لے کر کالج کے گیٹ تک کا فاصلہ اس نے بڑے قدموں سے طے کیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ دندناتا ہوا اس کے گھر میں داخل ہوا۔ لال دین فرنیچر کی جھاڑ پونچھ کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر احتراماً سیدھا ہو گیا۔

"آیئے صاحب بیٹھیے۔"

"تمہاری مالکن کہاں ہے؟۔" اس نے ملازم کی پیش کش کو نظر انداز کیا اور طیش و اضطرار سے پوچھا۔

"صاحب اپنے بیڈ روم میں۔" ساتھ ہی اس نے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا۔

وہ بلا دھڑک اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ذوباریہ اپنی کسی دوست سے فون پہ نہایت خوشگوار انداز میں بات چیت کر رہی تھی۔ اسے سامنے دیکھ کر گنگ رہ گئی۔ اور دوسرے ہی لمحے فون بند کر دیا۔ وہ شعلہ جوالا بنا اس کے سامنے تھا۔

"میں سمجھتا تھا آپ سدھر گئی ہوں گی۔" وہ شدید اشتعال کی کیفیت میں بولا۔

"لیکن نہیں۔ کتے کی دم سو سال تک بھی نلکی میں رکھی جائے تب بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔ یہ کھیل کھیلنا تھا تم نے میرے ساتھ۔" اس نے کھینچی ہوئی تصاویر ذوباریہ کے منہ پہ دے ماریں۔ "رات کو مجھے اس لیے انوائٹ کیا تھا تم نے تاکہ صبح اچھی طرح سے میری ذات کو اسکینڈلائز کر سکو۔؟"

ذوباریہ کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ فارینہ کے جملے سماعتوں میں گونجنے لگے۔ (میرے کیمرے کا رزلٹ ہمیشہ اچھا آتا ہے۔ آئی مین۔ جو کچھ دیکھتا ہے وہی بتاتا ہے رد و بدل نہیں کرتا۔)

"سر! یہ میری نہیں۔ کسی اور کی حرکت ہے۔"

"او شٹ اپ!" دوسرے ہی لمحے جہاں داد کا ہاتھ اٹھ گیا۔ اور اس کے لفظ منہ کے منہ میں ہی رہ گئے۔ تھپڑ تھا یا قیامت۔ جہاں داد کی چین والی گھڑی کھل کر ہتھیلی تک آ گئی۔ ذوباریہ دور جا گری۔

"جھوٹ بولنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے مس ذوباریہ احمد!" اس نے گھڑی بند کی۔ "جتنا مجھے پاگل بنا سکتی تھیں بنا چکیں اب کسی وضاحت و صفائی کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم اول روز سے مجھ سے کس قسم کے جذبے کی تسکین چاہتی ہو۔ اور کیا چاہتی ہو مجھ سے۔ لیکن یہ یاد رکھنا ذوباریہ احمد کہ تمہاری کسی بھی چاہت کی تکمیل تو در کنار تم پہ نگاہ غلط ڈالنے کی بھی میرے پاس گنجائش نہیں ہے۔"

وہ بے حد تذلیل آمیز لہجے میں کہتا ہوا اس سے باہر نکل گیا۔ ذوباریہ اس اذیت پہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تھوڑی ہی دیر بعد فائق احمد اس کے کمرے میں آئے تو بیٹی کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ اس طرح تو وہ ابھی بھی نہیں روئی تھی۔ حتیٰ کہ اس دن بھی نہیں جب اس کی ماں اسے چھوڑ کر جا رہی تھی۔ وہ بے تابانہ بیٹی کی طرف بڑھے۔ ذوباریہ باپ کا لمس پاتے ہی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی۔ اس کی بے تحاشا خراب ہوتی ہوئی کیفیت سے فائق احمد کو سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کیا کریں کیا نہ۔ اسے چپ کرائیں۔ یا رونے کی وجہ پوچھیں۔ یا اس کے انمول آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کر لیں۔

"ذوبی میری جان! کچھ بتاؤ تو سہی؟ کیا ہوا ہے؟ کس نے رلایا ہے تمہیں؟۔"

انہوں نے اس کا چہرہ اوپر کیا تو متحیر رہ گئے۔

دائیں گال پہ چاروں انگلیوں کے نشان اس طرح دہک رہے تھے جیسے کسی نے انگارے رکھ دیے ہوں۔ ذوباریہ ان کے سینے سے چمٹ کر بچوں کی طرح بلک پڑی۔

"کس نے اٹھایا ہے تم پہ ہاتھ؟ کون آیا تھا یہاں؟ کس کی اتنی جرأت ہوئی۔"

وہ بپھرے۔ اور گھر میں جیسے قیامت ہی مچ گئی۔ دوسرے ہی لمحے گھر کے تمام ملازمین ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ اور ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ ایک ایک ملازم کو ادھیڑ کر رکھ دیں۔ رب نواز کو تو باقاعدہ انہوں نے دھنک ڈالا۔

"گیٹ پہ کیا کر رہے تھے تم؟ کیوں آنے دیا تم نے اسے اندر میری غیر موجودگی میں کیا ہر ایرا غیرا یوں منہ اٹھا کر اندر چلا آتا ہے۔"

"صاحب! وہ آپ کی کمپنی کے منیجر ہیں۔ میں تو انہیں معزز شخص۔۔۔"

"اوہ شٹ اپ!" ان کا اگلا ہی طمانچہ رب نواز کا منہ بند کر گیا۔

"دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ آئی سے گیٹ لاسٹ۔ گیٹ لاسٹ۔" تم وغصے سے وہ ہانپ گئے۔

"بہت برا کیا ہے جہاں واد ملک تم نے۔ بہت ہی برا۔ کلیجہ نوچ ڈالا ہے میرا۔" وہ جارحانہ انداز میں باہر نکلنا ہی چاہتے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے ورشہ کی بے ہوشی ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئی۔

+ + + +

تین دن بے حد اذیت اور پریشانی میں گزرے۔

ہاسپٹل کے کمرے میں تیسرے روز اس نے آنکھ کھولی تو پہلی نگاہ پاپا پہ پڑی۔ وہ اضطراب و انتظار سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی وہ ہوش میں آئی۔ وہ اس کی طرف لپکے۔

"دینی! میری جان! میری زندگی۔"

اس کی آنکھوں سے اشکوں کی لڑی پھر رواں ہو گئی۔ دوسری جانب سے ورشہ اس پہ جھک گئی۔

"دینی! تم ٹھیک تو ہو ناں؟" اس نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ جو برف کی طرح سن تھا۔ وہ وجود میں نشتر ہی ایسے پرو گیا تھا۔

وہ چپ چاپ بے آواز روتی رہی۔ فائق احمد کی بے تابی قابلِ دید تھی۔

"دینی! کچھ بولو۔ بیٹے! میری جان۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" لیکن اس کے دل و دماغ میں بس انہی جملوں کی گونج تھی۔

(تمہاری کسی بھی چاہت کی تکمیل تو در کنار۔ تم پہ نگاہِ غلط ڈالنے کی بھی میری پاس گنجائش نہیں)

وہ اندر ہی اندر کٹ رہی تھی۔

"یہ آنسو اتنے بے مایہ نہیں ہیں۔ جنہیں تم یوں ضائع کر رہی ہو۔ تمہارے ایک ایک آنسو کی قیمت وصول کروں گا میں۔ تمہارے پاپا زندہ ہے بیٹے۔ اپنے پاپا کی طرف دیکھو۔"

انہوں نے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ اور پھر جیسے وہ پھوٹ پڑی۔ "پاپا۔"

"پاپا! آپ کی بیٹی مر گئی۔ آپ کی بیٹی مر گئی پاپا!"

وہ تکیے پہ بے بسی سے سر پٹخ کر رو پڑی۔ اس کی حالت پہ فائق احمد دل گرفتہ ہو گئے۔

"ورشہ بیٹے! جاؤ جلدی سے ڈاکٹرز کو بلا کر لاؤ۔"

"نہیں پاپا۔ نہیں۔" اس نے باپ کے ہاتھ پہ گرفت مضبوط کر لی۔ "مجھے زندگی نہیں چاہیے پاپا۔ وہ شخص اب مجھے جینے نہیں دے گا۔ پاپا! وہ شخص مجھے اندر ہی اندر ختم کر رہا ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں جی سکتی۔ میں اب اس کے بغیر نہیں جی سکتی۔"

وہ جو آہستہ آہستہ اس کا سر سہلا رہے تھے۔ دم بخود سے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ گویا جیسے ہذیان بک رہی تھی۔

"میں مر جاؤں گی۔ میں مر جاؤں گی۔"

انہوں نے الجھ کر ورشہ کی طرف دیکھا۔

ورشہ نے نگاہیں جھکا لیں۔ لیکن اس کی آنکھوں میں وہ کچھ تھا۔ جو وہ اپنی بیٹی کی آنکھوں میں کبھی بھی پڑھ نہیں پائے تھے۔

گھر آنے کے بعد بہت دن تک دونوں جانب مکمل خاموشی رہی۔ جیسے طوفان سے پہلے یا بعد کی ہوتی ہے۔

ایک طوفان آ کر تھم چکا تھا۔ ایک ابھی آنا تھا۔ لیکن جو آ کر تھم چکا تھا اس کے اثرات ابھی تک باقی تھے۔ اس کی بھوک پیاس، نیند سب ہی رخصت ہو چکے تھے۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

مگر فیصلہ انہیں بھی تو کچھ کرنا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

جہاں واد مارے باندھے انداز میں ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ جبکہ فائق احمد اپنا ارادہ اس کے سامنے ظاہر کر چکے تھے۔ لیکن اس نے اس موضوع سے قطعی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے سر! غلط فہمی میں مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔ مجھے یہ جذباتی قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔"

"معمولی تمہارے افسوس کرنے سے میرے زخم کا مداوا نہیں ہو گا۔"

"لیکن جس طرح آپ چاہتے ہیں سر! میں اس طرح بھی مداوا نہیں کر سکتا۔ باقی مجھے ہر سزا قبول ہے۔"

"جہاں داد! میں نے اپنے ارادے کا اظہار سزا یا بدلے کے طور پر نہیں کیا ہے۔ یہ تو ایک غلط فہمی تھی جو ہونا تھا ہو گیا لیکن۔"

"لیکن کے بعد کی بات چھوڑ دیجیے سر!"

"کیوں چھوڑ دوں۔ کیسے چھوڑ دوں؟۔" پھر دوسرے ہی لمحے وہ نرم لہجے میں بولے "بات سمجھنے کی کوشش کرو جہاں داد!" جہاں داد نے ان کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے سر! مجھے سمجھانے کے بجائے آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیں۔ یہ محض اس کا پاگل پن ہے اور میں اس کے پاگل پن میں شامل نہیں ہو سکتا۔"

"کوئی انہونی یا ناممکن بات نہیں کی ہے اس نے کہ تم اسے پاگل پن سے گردان رہے ہو۔ آج کل کے معاشرے میں یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔"

فائق احمد کی بات پہ جہاں داد تلخی سے ہنس پڑا۔

"دراصل یہ سب کچھ وہاں ہوتا ہے سر! جہاں دن رات ماں کی پہرہ دار آنکھ نہیں ہوتی۔ ادھورے والدین کی اولاد ذرا سی نظر اندازی کو یونہی زندگی کا روگ بنا لیتی ہے۔"

"میں کہتا ہوں آگے ایک لفظ نہیں بولنا۔" جہاں داد کے الفاظ ان کے سینے میں پیوست ہو کر رہ گئے۔

"تم نے ایسی بات کہی کیسے ملک! تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اس کی زبان کاٹ کر پھینک دیتا۔" وہ اشتعال سے بولے لیکن دوسرے ہی لمحے بے بس دکھائی دینے لگے۔ "لیکن ۔۔۔ وہ نادان تمہیں مانگ بیٹھی ہے۔"

انہوں نے جہاں داد کی طرف دیکھا۔ پھر رسان سے بولے۔ "تم نے اسے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ وہ بہت حوصلہ والی بلند کردار، باشعور اور سمجھ دار لڑکی ہے۔ اس نے زندگی میں کوئی بھی عمل ایسا نہیں کیا جس سے مجھے تکلیف ہوئی ہو۔"

جہاں داد خاموش بیٹھا رہا۔

"اس کی محبت کو محض دل کا بہلاوا، ضد یا وقتی کشش مت سمجھو بیٹے! اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس کا باپ ہوں۔ اس کے احساسات کو وقت کی دھول نہیں کہہ سکتا۔ آج سے پہلے میں نے اس کے یہ احساسات نہیں دیکھے۔ جو میں اب دیکھ رہا ہوں۔"

جہاں داد تب بھی خاموش رہا۔

انہوں نے ناامیدی سے اس کی طرف دیکھا۔

"انکار کرنے سے پہلے سوچ لینا۔ جہاں داد! صرف میری ہی بیٹی کی خوشیوں کا سوال نہیں ہے۔ تمہارے بخت میں بھی چار چاند لگ جائیں گے۔"

فائق احمد کا آخری جملہ یاری کا آخری پتا تھا۔ جو کہ جہاں داد کو بے حد ناگوار گزرا۔

"اگر آپ مجھے سر! اس معاملے پہ سالوں سوچنے کا بھی کہیں تب بھی میں ایک لمحہ بھی اپنی سوچ اس محور پہ لا کر ضائع نہیں کروں گا۔" فائق احمد کے دل کو گھونسا لگا۔

انہوں نے اپنی زمانہ شناس نگاہیں اس کے چہرے پہ جما دیں۔ "تمہارے انکار میں نفرت یا ہٹ دھرمی نہیں ہے۔ بلکہ پر اسرار سا سکون ہے۔ جیسے یہ سب کچھ تمہارے لیے بے مقصد ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں تمہیں اپنا مطلوب مل گیا ہو۔ آئی مین کسی سے کمٹ منٹ وغیرہ۔" انہوں نے ڈرتے **جھجکتے** پوچھا۔

جہاں داد ہنس پڑا۔

"ایسا ہی سمجھ لیجیے سر!" وہ مختصر بات کر کے کھڑا ہو گیا۔

فائق احمد کو لگا جیسے نہ حل ہونے والا مسئلہ ان کے سامنے کھڑا ہو گیا ہو۔

"شادی یا منگنی؟" انہیں اپنی آواز بے حد اجنبی لگی۔ وجود کے اندر جیا ہر ذرہ بار یہ کی بے بسی کا شور بپا تھا۔

"نہ شادی نہ منگنی۔ فی الحال تو مسئلہ کچھ اور ہے۔"

اس کی آنکھوں میں الوہی سی چمک کوندی اور دوسرے ہی لمحے معدوم ہو گئی۔

"چلتا ہوں سر! اپنی بیٹی کو آپ جس طرح بھی چاہیں سمجھا سکتے ہیں۔ آپ کی بیٹی ہے سمجھ جائے گی۔" وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

فائق احمد حیرت میں مبتلا بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

(زندگی میں دوسری بار بھی اسے مایوس کروں۔ کیسے۔ وہ میری بیٹی ہے۔ ہاں۔ میری بیٹی ہے۔ دوبارہ کی لاپروائی ان کی روح کو گھائل کرنے لگی۔ لیکن۔ وہ ہی نہ رہی۔ تو۔ پھر میں کسے سمجھاؤں گا۔ آئی ایم سوری میں اس بار اسے مایوس نہیں کر سکتا۔)

وہ سوچ کے پہلوؤں پہ نظر ثانی کرتے کرتے خود غرضی کی انتہا کو پہنچ گئے۔

♥ ♥

آج جب وہ کالج سے گھر آیا تو اماں، بابا کو اپنے گھر میں پہلے ہی سے موجود پاکر بے حد حیران ہوا۔ باپ سے ملا۔ پھر بے تابانہ ماں سے لپٹ گیا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ماں باپ پہلی بار اس کے گھر میں آئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ انہیں کس طرح سر آنکھوں پہ بٹھائے۔

اماں بے حد مسرور تھیں۔ لیکن بابا کا انداز سابقہ ہی تھا۔ کس طرح آگئے۔ وہ خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔

"تیری شکل دیکھنے سے میں نے توبہ کی تھی۔ لیکن میری قسمت اتنی خراب ہے کہ پھر مجھے ہی آنا پڑا۔" باپ کے انداز پہ وہ ذرا کا ذرا ٹھٹھکا۔

"کیا کوئی کام تھا مجھ سے؟" وہ فرماں بردار اولاد کی طرح تیار ہونے کو تھا۔

"سبحان اللہ۔ برخوردار کی لاعلمی تو دیکھو۔" اکبر ملک نے جل کر بیوی کی طرف دیکھا۔ اماں نے قطعی شوہر کے مزاج کی پروا نہ کی اور بیٹے سے لاڈ سے مخاطب ہو کر بولیں۔

"نے پتر! میں تیرے لیے دیسی گھی کے تل والے لڈو بنا کر لائی ہوں۔ تجھے بہت پسند ہیں ناں۔ اور یہ چاروں مغز اور باداموں کا حلوہ ہے دماغ کی تراوٹ کے لیے۔ دیکھ تو میرا پتر محنت کر کر کے کتنا کمزور ہو گیا ہے۔ خود اپنی کا ذرا خیال نہیں رکھتا ہو گا۔ مجھے پتا ہے۔"

اماں کا بس نہیں چلتا تھا کہ اسے اپنے کلیجے میں چھپا لیں۔ ماں کے انداز محبت پہ اس کا سیروں خون بڑھ جاتا تھا۔ ان کے گھٹنے پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"تیری یہ باتیں مجھے بہت یاد آتی ہیں اماں۔"

"ماں صدقے ماں واری پتر۔ ایک پل نہیں بھولی تجھے میں۔"

اماں آبدیدہ ہو گئیں۔

وہ بھی دل گرفتہ ہونے لگا پھر دوسرے ہی لمحے اسے خیال آیا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔

"میں بھی کتنا پاگل ہوں۔ آپ لوگوں کو ابھی تک پانی بھی پیش نہیں کیا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے صفدر کو آواز دی۔

"نہیں رہنے دو۔ ہم کھانا کھا کر آئے ہیں۔" بابا نے خشک انداز میں منع کیا۔

"اتنا لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ اب تک تو سب کچھ ہضم ہو چکا ہو گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

پھر صفدر کو ہدایات دینے کے لیے باہر چلا گیا۔

جب تک وہ اندر آیا۔ اکبر ملک اچھی طرح سے گھر کا جائزہ لے چکے تھے۔

"خوب عیش موج کی زندگی بسر کر رہا ہے تیرا پتر۔" وہ اس کی آسائشوں کو دیکھتے ہوئے بیوی سے مخاطب ہو کر بولا۔

"رب سوہنا میرے پتر کو اور دے۔" اماں کا سیروں خون بڑھ گیا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" وہ ان دونوں کے سامنے زمین پہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"یہی کہ بڑا مال پانی جمع کر لیا ہے ہمارے پتر نے۔" اکبر ملک کا انداز تیکھا تھا۔

"نہیں سب آپ لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔" وہ تھوڑا شرمندہ ہو کر بولا۔

"دعاؤں کے ساتھ پتر ایک وعدہ بھی لے کر آیا تھا"

یاد ہے کہ بھول گیا؟"

"اس وعدے کو میں کبھی بھول سکتا ہوں۔ وہ وعدہ نہیں ہے میری منزل ہے۔ یہ سب کچھ اسی کے لیے تو کر رہا ہوں۔"

"ہاں یاد ہے۔"

"آپ کے اندیشے جھٹلانے کے لیے تھوڑا سا خود کو اور مضبوط کرنا چاہتا ہوں۔ بس عنقریب آپ کے سامنے سرخرو ہو جاؤں گا۔"

اکبر ملک نے مونچھوں پہ ہاتھ پھیر کر قہقہہ لگایا۔

"میرا سیانا ہو گیا ہے تیرا پتر۔ باپ کو پاگل بنا رہا ہے۔" اکبر ملک بیوی سے مخاطب ہوئے۔ زرینہ نے خاموشی سے نگاہیں جھکالیں۔ جہاں داد نے الجھ کر ماں باپ کی شکل دیکھی۔

"کیا کیا کام کرتا ہے تو یہاں؟" باپ کا انداز تفتیشی تھا۔

"گورنمنٹ کالج میں لیکچرار ہوں۔ اور ایک پرائیویٹ کمپنی میں پارٹ ٹائم منیجر کی حیثیت سے کام کرتا ہوں۔"

"یہ گھر کمپنی کی طرف سے ملا ہے یا کالج کی طرف سے؟"

"کمپنی کی طرف سے۔ کیوں کیا ہوا؟"

"کمپنی کا مالک کیسا ہے؟"

"بہت اچھا۔ آپ بتائیں تو بات کیا ہے؟"

"اس کی کوئی بیٹی ہے؟"

"ہاں ہے۔ مگر آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں؟"

اکبر ملک نے بیوی کی طرف دیکھا۔ گویا اب آگے وہ بات کرے۔ زرینہ جھجک گئی لیکن شوہر کی نگاہیں اتنی سخت تھیں کہ اسے مارے باندھے بات کرنا پڑی۔

"کیسی ہے وہ لڑکی؟ میرا مطلب ہے کیا تجھے پسند ہے؟"

جہاں داد نے چہرے پہ عجیب گمبھیرتا پھیل گئی۔

اکبر ملک بیوی کے انداز گفتگو پہ چیخ اٹھے۔

"صاف اور سیدھی بات کر اس سے۔ کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہے۔"

پھر وہ بیٹے کی طرف دیکھ کر کرخت انداز میں بولے۔

"فائق احمد نام ہے ناں تیرے مالک کا۔ وہ آیا تھا میرے پاس گاؤں میں۔" اکبر ملک غصے سے لال ہو گیا۔ جہاں داد سراپا سوال بن کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"تیرے سارے کرتوت کھول گیا ہے۔ یہ بتانے آیا تھا کہ تو اس کی بیٹی کو بہت پسند کرتا ہے اور اس کی بیٹی تجھے۔ دونوں کے اندر بہت لاحول ولا' نجانے انگریزی میں کیا بولا تھا اس نے 'ہاں' انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی ہے۔ کہہ رہا تھا' تمہارے بیٹے نے بہت سارے عہد و پیماں کیے ہیں میری بیٹی کے ساتھ' لیکن نجانے اب اسے کیا مجبوری ہے کہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ میری بیٹی اب اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں اپنے بیٹے کو سمجھاؤں کہ وہ اس کی بیٹی کا دل نہ توڑے اور اسے قبول کر لے۔"

"واٹ؟" بھولی من گھڑت کہانی پہ جہاں داد

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت سرورق، آفسٹ چھپائی، مضبوط جلد
قیمت 450 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کا پتہ
• مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی
• احمد نیوز ایجنسی فریئر مارکیٹ کراچی
• سلطان نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ لاہور
• اشرف بک ایجنسی راولپنڈی • مہران نیوز ایجنسی حیدر آباد
بذریعہ ڈاک منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی

بری طرح چکرا گیا۔

"اور آپ لوگوں نے یقین کرلیا اس کی بات کا؟" وہ جھنجلا اٹھا۔ "ہاں پتر! کیوں نہ یقین کرتے۔ اور پھر بیٹیوں کے باپ کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ شہر اور گاؤں کے باپوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"اماں جی!" وہ بس پاگل ہونے کو تھا۔

بیٹے کے صاف مکر جانے پہ اکبر ملک سخت طیش میں آگئے۔

"ہمیں گاؤں اور شہر کا فرق مت سمجھا اصل فرق تو تیرے ایمان میں ہے۔"

"آخر کیا ضرورت پڑی تھی اس مظلوم کو میرے سامنے آکر گڑگڑانے کی۔ پچھے تو کل چھرے اڑانے ہیں تو نے اس کی بیٹی کے ساتھ تو وہ اپنی بیٹی کو تیرے ساتھ بیاہنے پہ مجبور ہو گیا ہے۔"

گھری چھت ایک الزام کی طرح جہاں داد کی سر پہ آ پڑی تھی۔

"بابا!" وہ چیخ پڑا۔ "آپ نے کبھی مجھ پہ اعتماد نہیں کیا۔"

"تو نے کسی قابل چھوڑا ہوتا تو تجھ پہ اعتماد کرتا۔ بڑا مرد بن کر وعدہ کرکے آیا تھا۔ دیکھ خود ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا۔"

"اماں! اماں! میں پاگل ہو جاؤں گا۔ آپ لوگ میری بات کیوں نہیں سمجھتے۔"

"بند کر اپنے یہ ڈرامے۔ تیرے کردار پہ تو مجھے قطعی بھروسا نہیں۔ جو شخص گھر میں نقب لگا سکتا ہے وہ کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ وہاں گاؤں میں مجھے منہ دکھانے قابل نہیں چھوڑا۔ یہاں شہر میں رسوائی کے جھنڈے گاڑنے چلا ہے۔ میری پوری نسل میں تجھ جیسا گندہ پیدا نہیں ہو سکتا نام ڈبو دیا ہے میرا۔"

پے در پے تذلیل کے تھپیڑے جہاں داد کا بس نہیں چلتا تھا خود کو ختم کرلے۔

"ٹھنڈا ہو پتر ٹھنڈا ہو۔ ہم یہاں تجھے ذلیل کرنے نہیں بلکہ تیرا گھر بسانے آئے ہیں۔ ہمیں پتا ہے جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ جو کچھ بھی ہوا اسے بھول جا۔ ہم اس لڑکی کا ہاتھ تیرے لیے مانگنے کو تیار ہیں۔"

(دراصل قصور تیرا نہیں تیری عمر کا ہے۔ اس ٹیل سے پرے بہت بڑی ہریالی ہے۔ جو تو نے نہیں دیکھی۔ جس وقت وہ سب دیکھ لے گا پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اسے محبت نہیں کہتے' وقتی جذبات کہتے ہیں۔)

لہجہ سنگریزے برساتے ہوئے اس پہ ہنس رہی تھی۔

(جس وقت تک تیرے پاس پیسہ آئے گا۔ خرچ کرنے والی تب تلک تیرے پاس آچکی ہوگی۔ اپنی محنت کی کمائی۔ مرد ویسے بھی سیر ہوتا ہے۔ تجھے خود پتا چل جائے گا کتنا پارسا ہے تو۔۔۔)

(جیتنے والے کو کیا ملے گا۔)

"اس کی ضد۔"

"جیتنے والے کو کیا ملے گا؟"

"اس کی ضد۔"

اس کے دماغ کی شریانیں پھٹنے لگیں۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ فیصلہ آج ہی ہوگا۔ اپنی زبان کا پاس اگر تجھے ہوا تو ندامت کے ساتھ ساتھ اس فیصلے کو بھی قبول کرے گا۔" بابا کا انداز سخت برہم تھا۔

بے بس پنچھی کی طرح اس نے باپ کی طرف دیکھا۔ جو کسی ظالم صیاد کی طرح لگ رہے تھے۔

"ہاں پتر سوچ لے۔ کوئی مجبوری نہیں ہے۔ آج شام تک ہم تیرے پاس ہیں۔ کب تک تیرا شادی کا ارادہ ہے۔ ہمیں بتا دینا۔"

ایک لڑکی نے' صرف ایک معمولی سی لڑکی نے سب لوگوں کے سامنے جھٹلا دیا مجھے۔ اتنا حقیر اور کمتر کر دیا کہ مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میری محبت مذاق بن گئی۔

میرے دعوے بے وزن ہو گئے۔

کیا حیثیت ہے میری کیا حیثیت؟ وہ پاگلوں کی طرح اپنے کمرے میں پھر رہا تھا۔

(اپنی زبان کا پاس اگر تجھے ہوا تو ندامت کے ساتھ ساتھ اس فیصلے کو بھی قبول کرے گا۔)

"کون سا فیصلہ؟ کیسا فیصلہ؟" وہ ہٹ دھرمی سے

اپنے فیصلے پہ قائم رہا۔

"پھر کیا سوچا ہے تو نے؟" اکبر ملک نے رات کھانے پہ پوچھا۔

"کچھ نہیں سوچا میں نے اور نہ ہی کچھ سوچنا ہے۔ جو میری ضد تھی وہی ہے۔"

"زہرہ کا اگر تو نے اب نام لیا تو تیری شہ رگ کاٹ ڈالوں گا۔" اکبر ملک کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"کچھ تو بات تھی پتر۔ جو ہم فوری طور پہ بھاگ کے چلے آئے۔ تو کیوں نہیں مان لیتا یہ بات۔ آخر کسی اور کی بھی تو عزت ہے۔" ماں کے ڈھکے چھپے لفظ۔ باپ کا کھلم کھلا اظہار۔

(آخر کچھ تو گل چھرے اڑائے ہیں تو نے اس کے ساتھ۔ جو وہ اپنی بیٹی کو تیرے ساتھ چپکانے پہ مصر ہے۔)

"تو بے غیرت ہو گیا ہے۔ مگر ہم بے عزت نہیں ہیں۔ بیٹیاں ہیں ہماری بھی۔ اسی کھونٹے سے باندھ کر جاؤں گا تجھے جہاں تو نے منہ کالا کیا ہے۔"

اور پھر بس۔ جیسے۔ جہاں واد کی ہستی گم ہو گئی۔

اماں بابا رشتہ طے کر کے اگلی بار آکر شادی کی تاریخ مانگ لی۔ سب ہی کچھ اس قدر جلدی جلدی ہوا کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔

بڑی خیر و خوبی سے شادی طے ہو گئی۔

سر کی مانگ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک اپنا روم روم سجائے ذوباریہ اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔

اور وہ کسی بے حس پتھر کی طرح عارضی طور پہ ایستادہ تھا۔ تمام 'کولیگ' 'اسٹوڈنٹس' دوست احباب۔ باری باری دونوں کو مبارک باد سے نواز رہے تھے۔

ذوباریہ اپنی خوش قسمتی پہ جتنا بھی ناز کرتی کم تھا۔

ہر شخص نے ان دونوں کی جوڑی کو جب جب سراہا تھا ذوباریہ کا روم روم سرشاری سے چھلک جاتا۔ لیکن جہاں واد کے چہرے کی مسکراہٹ بھی کسی کی مانگی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ کس قدر جبر اور صبر سے اپنے آپ کو اس کے قرب میں برداشت کر رہا تھا۔ یہ اس کا حوصلہ صرف وقتی تھا۔ حکومتی اعلان کی بدولت طعام کا سلسلہ پرتکلف اور مختصر تھا۔ اس کے ساتھ ہی فائق احمد کی خواہش کے مطابق دونوں طرف کا ولیمہ ایک ساتھ ہی دیا جا رہا تھا۔

رفتہ رفتہ مہمان رخصت ہونا شروع ہوئے۔ پھر اس کے گھر والوں نے بھی اجازت مانگی۔

"آپ لوگ کچھ دن تو یہاں ٹھہرتے۔ آخر آپ کے بیٹے کا گھر ہے۔" فائق احمد نے کسی اچھے میزبان کی طرح اصرار کیا۔

"نہیں بس۔ اس کے فرض سے سبکدوش ہونے آئے تھے۔ ہو چکے اب یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔ انشاءاللہ زندگی رہی تو آتے جاتے رہیں گے۔"

اکبر ملک نے فائق احمد سے الوداعی مصافحہ کیا۔ پھر باری باری سب ایک دوسرے سے الوداعیہ انداز میں مل کر رخصت ہوئے۔ اماں نے ذوباریہ کو منہ دکھائی میں سونے کے کنگن پہناتے ڈھیروں دعائیں دیں۔ دونوں کو پیار کیا۔

پھر جنہوں نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق دونوں کو تحفے دیے اور پیار کیا۔

وہ کسی اجنبی کی طرح سب کچھ وصول کرتا رہا۔

آخر میں زہرہ نے اسے مبارک باد دی تو اس کی ساکت جھیل میں پتھر سا آ گرا۔ "رب سوہنا تمہیں خوشیاں دے بہت زیادہ۔"

اس کی دعا پہ اس کے من میں آگ سی بھڑکنے لگی۔

ایسا لگا جیسے زہرہ سامنے کھڑی ہو کر وہی لفظ دہرا رہی ہو (ایک دن تجھے خود بھی ان باتوں پہ ہنسی آئے گی۔ ہو سکتا ہے شرم بھی آجائے۔ اس لیے تو خود کو مایوس نہ کر۔)

"دیکھنا میں تجھے جھٹلا کر دکھاؤں گا۔" اس نے کس قدر مضبوط اور اٹل لہجے میں کہا تھا۔

اور آج وہ اسے جھوٹا ثابت کر کے جا رہی تھی۔

زہرہ کے رخصت ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی تمام تر خواہشات کو بھی اس کے ساتھ ساتھ رخصت کر دیا۔ اور اپنے آپ کو کسی گہرے پاتال میں دفن کر لیا۔

اب ظاہری وجود کسی نرم دل شخص کا نہیں تھا بلکہ

کوئی ورنہ وصلت محض ذوباریہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

رات کے خوبصورت لمحے دھیرے دھیرے گزر رہے تھے اور وہ اس کے انتظار میں اپنا حسن بچھائے منتظر بے قرار بیٹھی تھی۔ ان یادگار لمحوں کو مزید امر بنانے کے لیے اس نے کچی آنکھوں میں کتنے خواب چنے تھے۔ وہ اپنی وفاؤں کا اسے کس طرح یقین دلائے گی؟ اپنی محبت کے سارے جام اس پہ خالی کر دے گی۔ تمام عمر اس کی بن کر رہے گی۔

کبھی کسی شہزادی کی طرح اس کے دل پہ راج کرے گی۔

کبھی اسے اپنے آقا بنا کر بے مول لونڈی کی طرح اس کی ہر بات پہ لبیک کہا کرے گی۔ اور کبھی کسی لاڈلی بیوی کی طرح اس سے ڈھیروں نخرے اٹھوائے گی۔

کتنے خواب تھے اس کی آنکھوں میں کہ ان سے اس کے پپوٹے بھی بوجھل ہونے لگے تھے۔ دل کے ارمان تھے کہ نکلنے کے لیے بے قرار تھے۔ کتنی باتیں تھیں۔ جو اس سے کہنی تھیں' اس سے کرنی تھیں۔ کئی رازوں کو اس پہ منکشف کرنا تھا۔ اسے اپنا لیا تھا اب اس کی ہو کر دکھانا تھا۔

خدا نے اسے اس کا محض ساتھ ہی نہیں بخشا تھا۔ گویا ہفت اقلیم کی دولت اس کے سپرد کر دی تھی۔ وہ جتنا بھی فخر کرتی' جتنا بھی شکر کرتی تھوڑا تھا۔

معاً آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھلا۔

ذوباریہ نے اپنے دل کے تمام دروازے اس کے لیے کھول دیے۔ وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ پھر پلٹ کر دروازے کی چٹخنی چڑھا دی۔

پھر ایک ایک قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھا۔

ذوباریہ کے دل کی دھڑکن آہستہ آہستہ بڑھتی چلی گئی۔ کمرے کے دروازے سے لے کر۔ بیڈ تک کا فاصلہ اس نے عجیب لڑکھڑاتے قدموں سے طے کیا۔

اس کی چال کی لرزش ذوباریہ پہ واضح نہ ہو سکی۔ ظاہر ہے وہ نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔ جہاں داد کے دماغ میں جھٹکے لگنے لگے۔ ایسا لگا جیسے پورا کمرہ گھوم رہا ہو۔ اس نے بروقت بیڈ کا سہارا تھام کر خود کو سنبھالا۔ اور پھر چند ثانیے یونہی کھڑا رہا۔

اس کے ایک ہاتھ میں گلاس تھا اور دوسرا ہاتھ اپنے ہی شانے پہ رکھا تھا جس پہ کوٹ جھول رہا تھا۔

اس نے بدقت تمام اپنا کوٹ بیڈ پہ پھینکا۔

پھر کچھ سہولت محسوس کرتے ہوئے اس کی پشت پہ سے گاؤ تکیہ اٹھایا۔ پھر گرنے والے انداز میں تکیہ کا سہارا لے کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

وہ کچھ اس انداز میں بیٹھا تھا کہ ذوباریہ کا سجا سنورا روپ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ذوباریہ ذرا کی ذرا سٹ گئی۔

اس وقت جہاں داد کے دل میں اتنی نفرت تھی کہ کوئی احساس تو کیا جاگتا' وہ چاہتا تھا کہ اس کے منہ پہ تھوک کر چلا جائے۔ گلاس ایک جانب رکھ کر اس نے سگریٹ سلگا لیا پھر بہت دیر تک لائٹر کی آنچ کو دیکھتا رہا' اور سگریٹ کے مرغولے اڑاتا رہا۔

ذوباریہ کو اس کی یہ حرکت بڑی غیر مناسب اور بے محل لگی۔ وہ اس ناگوار رویے پہ احتجاج نہیں کر سکی۔ بہت دیر تک لائٹر کی آنچ سے کھیلتے رہنے کے بعد اس نے بے زاری سے لائٹر دور پھینک دیا۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔

میرون اور آف وہائٹ بھاری کامدار لہنگا سوٹ اور بھاری بھرکم زیورات پہنے بلاشبہ وہ اس کے لیے ہی سجی تھی۔ لیکن اسے اس کے سنگھار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بڑے ناقدانہ انداز میں جہاں داد نے اس کا گھونگھٹ پلٹ دیا۔ اور سلگتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

ذوباریہ اپنے حسن پہ قصیدہ گوئی کی منتظر تھی۔ لیکن سننے کو اسے کچھ نہیں ملا۔

دوسرے ہی لمحے اس کی نگاہیں ذوباریہ کے ہاتھوں پہ ٹھہر گئیں۔

ایک دن اس نے یہی ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا تھا۔ اسے ذلیل کرنے کے لیے۔ اس کے تن بدن میں آگ لگنے لگی۔ پھر اس نے ذوباریہ کا ہاتھ پکڑ کر لودیتی اس کی ہتھیلی اپنے سامنے پھیلائی۔

"آج۔ نہیں۔ مانگو گی۔ حالانکہ۔ آج تو۔ مانگنے کا۔ دن۔ ہے۔" وہ ٹوٹے ٹوٹے لہجے میں گویا ہوا۔

حنائی ہتھیلی پہ خوبصورت پھول پتیوں کے درمیان دونوں کے نام لکھے ہوئے صاف دکھائی دے رہے تھے' دوسرے ہی پل اس نے جلتا ہوا سگریٹ اس کی ہتھیلی پہ رگڑ دیا۔

ذوباریہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی' ساتھ ہی اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور جلن سے تڑپ اٹھی۔

"تیرا دستی۔ نام۔ لکھے۔ لینے۔ سے۔ دلوں۔ میں۔ جگہ۔ نہیں۔ بن جاتی۔"

اس نے نفرت زدہ مگر ٹوٹے ٹوٹے انداز میں پھر کہا۔ ذوباریہ نے بھیگی بھیگی پلکیں ذرا کی ذرا اٹھائیں۔ اور گنگ رہ گئی۔ اس کا وجود پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اور سانسوں کی رفتار معمول سے زیادہ تھی۔ ادھ کھلی شرٹ اور کھلی ہوئی ٹائی جو بے ترتیب اس کے دائیں بائیں جھول رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کسی قسم کا مشروب تھا' ذوباریہ کو بس ایک لمحہ ہی لگا سمجھنے میں۔

"ایک دن۔ تم نے۔ کہا تھا۔ ذوباریہ۔۔۔۔ احمد۔۔۔۔"

زبان کی لرزش اور سانسوں کی رفتار' ذوباریہ کے حواس معطل ہونے لگے۔

"کہ۔ میں۔ کہ میں۔ ایک وقت میں۔ ایک ہی۔ ایک ہی۔ نشہ کر سکتا ہوں۔ آج۔ میں۔ تمہیں۔ بتاؤں گا۔ کہ میں۔ کہ میں۔ ایک وقت میں۔ کتنے۔ نشے۔ کر سکتا ہوں۔"

"ایک نشہ تو یہ۔" اس نے سگریٹ پھینک دیا۔

"اور۔ ایک۔ ایک۔ یہ۔" اس نے بچا ہوا مشروب ذوباریہ کے منہ پہ پھینکا۔ اور ذوباریہ ہوش میں آگئی۔ "یہ۔ تمہارے۔ حسن۔ کو۔ خراج۔ دینے۔ کے۔ لیے۔ میری۔ ہر رات کے لیے۔ مخصوص۔ مخصوص ہوگا۔"

ذوباریہ کا دماغ چکرا گیا۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے۔ اس نے سراسیمگی سے جہاں واد کی طرف دیکھا۔ اور پیچھے کی طرف ہٹنے کی کوشش کی۔

"آں۔ ہاں۔ ابھی۔ ابھی۔ نہیں۔" اس نے اسے کلائی سے پکڑ کر واپس اپنی طرف کھینچا۔

"بہت۔ ساری بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ تم سے۔"

ذوباریہ "تقریباً" اس کی طرف جھول گئی۔ ساتھ ہی اس کے آویزے اس کی چوڑیاں بج اٹھیں۔

فضا میں مدھری کھنکھناہٹ پھیل گئی۔ اس نے کسی لٹیرے کے سے انداز میں اس کے آویزے نوچ کھسوٹ کر دور پھینک دیے۔

ذوباریہ کی وحشت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"جب کوئی۔ نشہ۔ مرد کی۔ کمزوری' بن جائے۔ تو اسے عورت۔ عورت کے سامنے۔ یہی بتایا تھا ناں تمہارے باپ نے تمہیں؟۔" وہ اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"ظاہر ہے۔ باپ بیٹی کا۔ رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے۔ وہ تمہیں۔ مکمل کرتا ہے تبھی۔ تو کیا لیکن۔۔۔ لیکن میں' تمہیں آج بتاؤں گا۔ مرد کو کیوں گریز کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ نشہ میں مرد مدہوش ہو جاتا ہے۔ اور مدہوش مرد عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا۔ اور یہی۔ یہی ذوباریہ احمد 'تمہارا' اور میرا رشتہ ہوگا۔"

ذوباریہ نے تحیر سے اس کی طرف دیکھا' اور دوسرے ہی پل کرب سے اپنا چہرہ موڑ کر اسی کے سینے میں چھپا لیا۔ وہ نفرت کا احساس اس کے کانوں میں انڈیل رہا تھا۔

"تم اپنی قربت میں۔ مجھے کبھی ہوش میں نہیں پاؤ گی۔ کیونکہ میں یہاں تمہیں۔ اپنے تقاضے پورے کرنے کے لیے نہیں لایا۔ ہاں۔ تمہیں۔ تمہارے۔ ارمان۔ ضرور پورے کروں گا۔"

خوف' شرم سے مغلوب ہو کر ذوباریہ نے آنکھیں اور مٹھیاں بھینچ لیں۔ ساتھ ہی بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

اس قرب میں کیا تھا۔ سلسلہ در سلسلہ "تکلیف اور تذلیل" نہ اس کی آنکھوں میں پہچان تھی۔ نہ اس کے لمس میں اپنائیت۔ وہ "تقریباً" رو پڑی'

اور مزاحمت کرنے لگی۔

"بہت پسند ہوں میں تمہیں۔ پھر یہ ناگواری آج کیسی؟"

اپنی بے بسی۔ بے وقعتی پہ دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"پلیز آپ ہوش میں نہیں ہیں۔ چھوڑ دیجئے مجھے۔" وہ اس کی درندگی سے پناہ مانگ رہی تھی۔

"اتنا ہوش تو ہے مجھے۔ کہ۔ تمہاری۔ نمکول۔ میں نکھی۔ چاہت۔ کا۔ جواب لوٹا سکوں۔"

دوبارہ یہ اس کے طرز گفتگو پہ کٹ کر رہ گئی۔

آخر کب تک۔

کب تک وہ مزاحمت کر سکتی۔

بالآخر اس کے جنون کی بھینٹ چڑھ گئی۔ اور اس کی وحشت کے آگے بے بس ہو گئی۔

✈ ✈ ✈ ✈

دور سے فجر کی اذانوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور وہ گھٹنوں میں سر چھپائے سسک سسک کر رو رہی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر جہاں واد کی طرف دیکھا۔ جو بے حد لاتعلق اور بے خبر پڑا سو رہا تھا۔

وہ نامراد شے اس کے قریب ہی پڑی تھی۔

نفرت کے اظہار کے بعد وہ کس قدر پرسکون نیند لے رہا تھا۔

اور وہ وہ محبت پا کر بھی تہی داماں۔ اور تہی دست ہی تھی۔

اس نے دوبارہ سر اپنے گھٹنوں پہ ٹیک دیا۔

یہ نہیں چاہا تھا میں نے

ایسا نہیں چاہا تھا۔

ایک مکمل مرد کی خواہش میرے لیے محض اپنی ذات کی تسکین نہیں تھی۔

بلکہ۔ بلکہ اس لیے کہ عورت کئی لحاظ سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ کوئی احساس کمتری اسے بھٹکنے نہیں دیتا۔

خوبصورت مرد کی تمنا میرے دل میں ہمیشہ اس لیے اول رہی تھی کہ عورت آخری دم تک اس سے وفا کرتی ہے۔

اس سے وفا کرنا بھی اچھا لگتا ہے۔

اس سے وفا نبھانا بھی اچھا لگتا ہے۔

وہ پھر زمانے کے کسی دوسرے حسن کو نہیں دیکھتی، بار بار یہ نہیں سوچتی کہ اس کی قسمت میں ایسا کیوں لکھا گیا۔ کیونکہ بے صبری اسے بے وفائی کی طرف راغب کرتی ہے حالانکہ وہ خود راغب نہیں ہوتی، بہت سارے محرکات ہوتے ہیں۔ جو خود بخود متوجہ کرتے ہیں۔

یہ بات تو طے ہے انسان کی سب سے پہلی خوبی اس کی ظاہری شخصیت اس لیے شمار ہوتی ہے کہ اور خوبیوں کی بہ نسبت اس خوبی کا ادراک ایک عام سے عام ذہن اور سادہ نظر بھی کر لیتی ہے۔ خوبصورت چیز کو سراہنے کے لیے دماغی صلاحیتوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ سادہ سی نگاہ بھی حسن کو پرکھ لیتی ہے۔

ایک عام شخص جتنا اچھا دیکھ سکتا ہے۔ اتنا اچھا سوچ نہیں سکتا۔ اور یہ پورا معاشرہ عام دماغوں سے بھرا پڑا ہے۔ اچھے دماغوں سے نہیں۔

اور بس یہی سرکشی۔ میری تمام عمر کے تجربے کا نچوڑ تھا۔ ایک روز ماما نے کہا تھا۔

"مرد اور عورت کے انداز محبت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مرد ہمیشہ اپنے سے ہر معاملے میں کم ہی کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ قدرتی طور پہ برتری مرد کے خمیر میں شامل ہے جبکہ عورت ہمیشہ برابری کی تمنا کرتی ہے۔ کیونکہ کائنات کا توازن عورت کے وجود کا مرہون منت ہے۔"

اسی لیے ماما کہتی تھیں۔

"ازدواجی زندگی میں۔ ظاہری خوبیوں کا توازن بڑی اہمیت رکھتا ہے۔"

باوجود ماما کے خیالات کے عجیب بات تھی پاپا اور ماما کی زندگی آئیڈیل طریقے سے گزر رہی تھی۔

حالانکہ مما حسین ترین عورت تھیں۔ ہر لحاظ سے مکمل، اور زبردست قوت ارادی کی مالک۔ اور خود مختار۔

ہمہ وقت مکان اور مکینوں پہ چھائی ہوئی شخصیت

[illegible] پاپا اور مما [illegible]
تب بھی پاپا کی [illegible]
تھیں۔ اور پھر پاپا [illegible]
[illegible] پاپا [illegible]
کر اس کا اسباب نہیں بن پایا تھا۔
[illegible]
پاپا، مما کی پرواہ [illegible]
ہر بات کی تعریف کرتے۔
پھر ایک کیا ہوا کہ دونوں کی زندگی کے راستے الگ ہو گئے۔

پاپا کی اپنی زندگی تھی۔ اور مما کی اپنی زندگی۔
پاپا تو مصروف ہی رہتے تھے۔ مما کی مصروفیات بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔
پھر پاپا کی طرف سے دی گئی کھلی خودمختاری
پاپا بالکل تنہا ہو کر رہ گئے۔
ادھر مما اپنی تنہائی کو سوشل سرگرمیوں میں تقسیم کرتی پھر رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ دونوں کی زندگی دریا کے دو کناروں کی شکل اختیار کر گئی۔
دونوں نے خوشی تو خوشی ایک دوسرے کے غموں میں بھی شامل ہونا چھوڑ دیا تھا۔ ایک ہی چھت کے نیچے اتنی فصیلیں کیسے قائم ہو گئی تھیں شاید اسے بھی کبھی پتا نہ لگتا اگر پاپا اس رات شدید بیمار نہ ہوتے۔
کھانسی تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی اور بخار تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ چند دن سے پاپا بیمار تھے۔ ملازم ان کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ لیکن مما کی دلچسپی معمولی بھی نہیں تھی۔ حالانکہ ڈاکٹرز نے تاکید کی تھی کہ انہیں بہت زیادہ آرام کرنا چاہیے اور ٹینشن سے محفوظ رکھا جائے۔ کیونکہ ان کا دل اپنے حجم سے بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ جس کا اب واپس اپنے مقام پہ جا کر ٹھہرنا ناممکن تھا۔
اس کے باوجود مما کی لاپروائی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ پاپا کی بگڑتی ہوئی حالت اور گرج چمک کے ساتھ برستی بارش، گھر کا منظر کتنا ہولناک ہو گیا تھا۔ مما ابھی تک گھر نہیں لوٹی تھیں۔ کچھ ہو جانے کا اندیشہ اس کی رگ رگ میں سرائیت کر گیا تھا۔ خوف

وہ [illegible] لال دین [illegible] اچانک [illegible] اس نے سارے [illegible]
اور وہاں [illegible] جلدی چلیے پاپا [illegible] کی طبیعت [illegible] خراب ہے۔"
[illegible] اس وقت پاپا [illegible] کر رہا۔
"تم نے ڈاکٹر انکل کو فون کیا؟ یا محسن وغیرہ کو بتایا؟"
"بابا! مجھے کچھ نہیں پتا [illegible] ملازم بھی جا کر سو گئے ہیں۔ آپ ڈاکٹر انکل کو بلوا لیں۔"
"[illegible] تم چلو میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔"
"مما! پاپا کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔" مما کی [illegible] سے وہ بولا۔
"مجھے معلوم ہے انہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ لال دین تم ان کے کمرے میں جاؤ میں لال دین کو جگاتی ہوں۔"
مما تعجب سے انداز میں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ اور وہ حیران و پریشان پاپا کے کمرے میں آ گئی۔
اب وہ سکون لیے ہوئے تھے۔
ڈاکٹر انہیں چیک کر کے چلا گیا تھا۔ لال دین ہی انہیں لینے گیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر انکل کہہ کر گئے تھے۔ اب پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن اتنی بے فکری کی بھی بات نہیں تھی کہ مما پاپا کے کمرے میں آئیں اور بس کھڑے کھڑے انہیں دیکھ کر ملازمین کو ہدایت دے کر چلی گئیں۔ مما کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اسے مما سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ ان کی لاتعلقی اس کے لیے سوہان روح سے کم نہیں تھی۔
اس کے آنسو نجانے کب سے پاپا کے ہاتھ پہ گر رہے تھے کہ انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بے چین ہو کر اٹھنا چاہتے تھے اس نے انہیں زبردستی روک دیا۔ اور خود چہرہ چھپا کر آنسو صاف کرنے لگی۔
"میں ٹھیک ہوں زینی بیٹا! مجھے کچھ نہیں

ہو گئی۔ "پاپا کی بات پر اسے رونا آ گیا۔ "چاہنے والے پاس ہوں تو موت کوسوں دور بھاگ جاتی ہے۔" انہوں نے پیار سے اس کا گال چھوا۔

"مما ہم سے دور کیوں ہوتی جا رہی ہیں پاپا؟"

"چاہنے والے یوں ایکدم سے دور تو نہیں ہو جاتے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے پاپا۔ کیا ہو گیا ہے؟"

فائق احمد کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ لیٹے رہے۔

"کیا آپ دونوں کے مابین کوئی لڑائی ہوئی ہے؟ آپ نے مما کو کچھ کہا ہے یا مما کی کوئی بات آپ کو بری لگی ہے پاپا! آخر کون سی بات ہے ایسی جو آپ دونوں یوں غیروں کی طرح رہنے لگے ہیں۔ مجھے بتائیں پاپا۔ میں مما کی طرف سے آپ سے معافی مانگوں گی۔ آپ کی طرف سے مما کو مناؤں گی۔ مگر اب میں ایسے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔" وہ بے حد بے چین تھی، رو رہی تھی۔

فائق احمد نے تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"اگر اب ہمیشہ یونہی رہا تو پھر۔۔۔؟"

دوباریہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"نہیں پاپا! مما میری ہر بات مانتی ہیں۔ میں انہیں مناؤں گی۔ کیوں رہے گا ایسا۔ سب کچھ ویسے ہی رہیں گے جیسے ہم رہتے تھے۔"

فائق احمد تاسف سے ہنس پڑے۔

"اب ایسا ناممکن ہے۔"

"کیوں ناممکن ہے پاپا کیوں؟ میں مما سے پوچھتی ہوں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ "آخر ایسا کون سا جھگڑا ہوا تھا آپ لوگوں کے مابین کہ یکایک یوں دوریاں پیدا ہو گئیں؟" وہ جذباتی ہونے لگی۔

فائق احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"سچ اس قدر کڑوا ہے، ادھر سے سنو گی یا ادھر سے۔ سوائے دکھ کے کچھ نہیں ملے گا۔ بہتر نہیں ہم یونہی رہتے رہیں۔"

"پاپا!" دوباریہ کی آواز رندھ گئی۔

"وہ کون سی حقیقت ہے جو آپ مجھ سے چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ میں نے آپ لوگوں کو بھی براہ راست جھگڑتے بھی نہیں دیکھا۔ معمہ کیا ہے۔ مجھے کچھ سمجھائیں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

فائق احمد نے اپنائیت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اب تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے۔ لیکن تمہاری ماں کا میں مشکور ہوں کہ وہ اپنا وعدہ نبھا رہی ہے۔"

"کون سا وعدہ پاپا! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"اب روشن آرا کا اور میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تمہاری ماں تو ہے لیکن میری بیوی نہیں ہے۔ کچھ عرصہ قبل میں اسے طلاق دے چکا ہوں۔"

باپ کے لفظوں پہ دوباریہ ان کے پاس سے اس قدر تیزی سے پیچھے ہٹی جیسے ماں کے تعلق کے ساتھ ہی اس کا تعلق بھی ختم ہو گیا ہو۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پاپا؟" اس نے بے حد حیرانی سے سوال کیا۔ یقین اس کے لیے ناممکن ہی نہیں محال بھی تھا۔

فائق احمد تکلیف سے مسکرائے۔

"اب میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا، یقین نہ آئے تو اپنی ماں سے پوچھ لو۔ ظاہر ہے، تمہیں پھر دوبارہ ایسی ہی تکلیف ہو گی۔"

"مگر پاپا! کیوں۔ کب، اور کیسے ہوا یہ سب کچھ؟" اس نے ہکلاتے ہوئے انتہائی شاکڈ انداز میں پوچھا۔

"عورت اسی شخص سے پرستش کرانا پسند کرتی ہے جو اس سے خوب تر ہو۔ کم شکل مرد۔ خواہ کتنی ہی حیثیت رکھتا ہو۔ حسین ترین عورت سے محبت کرتے ہوئے ہمیشہ کم تر ہی لگتا ہے۔"

"پاپا!" باپ کے لفظوں پہ وہ چیخ اٹھی۔

"آپ اس قدر بے بس کیوں ہو گئے۔ اپنی تضحیک کے بعد مما کو آزاد کر دیا۔" اسے باپ پہ غصہ آیا۔

"جب دلوں میں گنجائش نہ ہو بیٹا تو جبر کے رشتے ناسور بن جاتے ہیں۔ وہ شاید میرے ساتھ خوش رہ لیتی۔ اگر ہم دنیا میں تنہا ہوتے مگر یہ دنیا۔ یہ دنیا جینے نہیں دیتی۔ جب وہ میری زندگی میں آئی تھی۔ میں نے اپنی قسمت پہ بہت ناز کیا تھا۔ پھر اسے یہ احساس

اس نے اس لیے کہ وہ مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہے۔ دنیا کی ہر نعمت اس کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد وہ میرے ساتھ صرف خلوت میں خوش رہنے لگی۔ اور لوگوں میں آتے جاتے اسے جھجک محسوس ہوتی۔ پھر یوں ہوا کہ رفتہ رفتہ اس نے میرے ساتھ آنا جانا ترک کر دیا۔ حالانکہ لوگوں کی نظریں میرے لیے کم مضحکہ خیز نہیں ہوتی تھیں لیکن۔ میں نے ہمیشہ خود کو کمتر محسوس کرنے کے بجائے تمہاری ماں کی سنگت میں خود پہ فخر ہی کیا تھا۔

وہ چاہتی تو ان نگاہوں پہ کبھی نظر نہ رکھتی، کبھی زمانے کی آوازوں پہ کان نہ دھرتی۔ لیکن پتا نہیں کیوں۔ میری ذات کی کمی اس کے اندر کا شدید کامپلیکس بن گئی۔ چونکہ مجھے تمہاری ماں سے شدید محبت تھی اور میں اسے بہت عرصہ تک ناخوش نہیں دیکھ سکتا تھا کہ جن لوگوں سے محبت کی جائے انہیں آزمانا یوں بھی اچھا نہیں ہوتا۔ میں نے اپنی محبت کے جواب میں اس سے کبھی محبت نہیں مانگی۔

اس کا ساتھ ہی میرے لیے سب سے بڑا انعام تھا۔ جب میں نے اس کے ساتھ میں کھنچاؤ محسوس کرنا شروع کیا تو چپ چاپ اسے خود سے علیحدہ کر دیا۔"

ذوباریہ حیرانی سے باپ کی شکل دیکھتی رہی۔

"وہ جانے لگی۔ تب میں نے اس سے ایک گزارش کی۔ جب تک ذوباریہ کے مستقبل کا کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ ہم دونوں زمانے کو دکھانے کے لیے ایک ساتھ رہیں گے۔ تاکہ اس کے مستقبل پہ ہمارے فیصلے۔ ہمارے طرز زندگی کا منفی اثر نہ پڑے۔ بہرحال وہ مان گئی۔ اب اس کی اپنی زندگی ہے' اور میری اپنی زندگی۔"

فائق احمد چپ ہو گئے۔ ذوباریہ خود بہ حیران تھی۔ اتنا بڑا سانحہ گھر میں ہوا تھا اور اس فرشتے بھی اس سے لاعلم تھے۔ بہت دن تک وہ صدمے کی کیفیت میں رہی۔

دن رات کے ہر پہر میں اس نے والدین کی زندگی کے پہلوؤں پہ غور کیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا قصور کس کا ہے۔

کبھی ماں کی جگہ پہ رکھ کر خود کو سوچتی۔ پاپا ممّا کی سنگت میں خود پہ فخر کرتے تھے۔ ظاہر ہے بالکل ایسے ہی جیسے وہ کرتی تھی۔ ممّا اس کے اسکول آیا کرتیں تو اس کی سہیلیاں' اس کے ٹیچرز اس کی ممّا کی کتنی تعریفیں کرتے تھے۔ اور وہ ان کی تعریفوں پہ ایسے خوش ہوتی جیسے ممّا کے حسن کو نہیں اس کے کسی کارنامے کو سراہا جا رہا ہو۔ ظاہر ہے پاپا بھی اسی طرح خوش ہوتے ہوں گے۔ لیکن ممّا۔ ممّا کے بھی تو کچھ احساسات ہوں گے۔ وہ اس وقت کیا محسوس کرتی ہوں گی۔

ممّا نے تقریباً "ہیل والی جوتی" پہننا چھوڑ دیا تھا۔ تاکہ وہ اور پاپا ساتھ ساتھ چلیں تو تقریباً "ایک جیسے لگیں۔"

لیکن ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ پاپا کے برابر اور پاپا ان کے برابر نہیں آ سکے۔ دونوں میں دن رات جیسا ظاہری فرق تھا۔ اس کے باوجود اس نے پاپا کو مجبور کیا کہ وہ ممّا کو پھر سے اپنا لیں۔ لیکن ایسا اب ناممکن تھا۔

شاید پاپا نے درست فیصلہ کیا؟ آخر ممّا کے بھی تو کچھ جذبات تھے۔ شاید ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اس نے جیسے اس فیصلے پہ صبر کر لیا۔

وقت عجیب بے ڈھنگے انداز میں گزرتا رہا۔

اچانک ممّا کو اس کا بیاہ رچانے کی جلدی ہو گئی۔ اور پھر یہ خواہش شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ اسے معلوم تھا کہ ممّا اس سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر کے آزادی حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ تب ہی اتنا واویلا مچا رہی ہیں۔ پھر بھی اس نے صبر و ضبط سے کام لیا۔

"ممّا! ابھی تو میرا ایف اے کا رزلٹ بھی نہیں آیا۔ ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟۔"

"رشتہ اچھا ہے بیٹا! شادی دو تین سال کے بعد رکھ لیں گے۔ فی الحال تم ہامی تو بھرو۔"

لیکن کامران کا نام سن کر وہ پیچھے سے اکھڑ گئی۔ ممّا کامران کی خوبیاں بیان کر رہی تھیں۔ اور وہ گنگ سی

بیٹھی تھی۔ ممانے اسے سوچنے کا کہا تھا۔

کامران۔ مما کا کزن تھا۔ عمر میں ان سے بہت چھوٹا تھا۔ لیکن مما سے اس کی بے تکلفی شروع سے ہی بہت زیادہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اور بڑھتی چلی گئی وہ ان کے گھر آتا جاتا تھا۔ لیکن وہ شروع سے ہی اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ عجیب چاپلوس طبیعت تھی اس کی۔

خصوصاً" عورتوں کی محفلوں میں گھسنا اور ان کی تعریفیں اور ذکر کرنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ ایسے مرد اسے مرد ہی نہیں لگتے تھے جو خواتین کے موضوع کو سب سے زیادہ پرکشش سمجھیں۔

اس کے باوجود۔ کامران، مما کی اولین ترین پسند تھا۔ اور وہ چاہتی تھیں وہی اس گھر کا داماد بنے۔

ان کی عجیب خواہش ابھر کر سامنے آ رہی تھی۔

"جب انہیں وہ اتنا پسند تھا تو پھر داماد بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

وہ بسا اوقات جل کڑھ کر سوچتی۔ کتنی دلچسپی تھی مما کی خود کامران میں۔

وہ کس قسم کے رشتے کو تشکیل دینا چاہتی ہیں یہ کون سی بھکی چھپی خواہش ہے۔ جس کی زنجیر وہ مجھے بنا رہی ہیں۔

مما کی اور کامران کی قربت اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

کامران، مما کی اتنی تعریفیں کرتا تھا، اس کے باوجود اس کی نگاہ ان کی بیٹی پہ بھی تھی۔

یعنی وہ ایک تیر سے دو شکار کر رہا تھا۔ اور مما شوق سے شکار ہو رہی تھیں۔

کھلتا ہوا قد تھا اس کا اور شکل صورت بھی ایسی تھی کہ اچھوں میں شمار ہو جاتا، لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ مما اپنی شخصیت کو ہی نظر انداز کر دیتیں۔ یا پھر مما خود دوہری چال کھیل رہی تھیں۔

وہ سوچ سوچ کر کڑھتی رہی۔

پاپا نے تمام تر فیصلے کا اختیار ابھی بھی مما کو دے رکھا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق مائیں بیٹیوں کے فیصلے بہتر طرح سے کر سکتی ہیں۔

ان کے خیال کے مطابق شاید وہ ماں سے زیادہ قریب تھی۔

لیکن اب تو وہ اتنی دور جا چکی تھی کہ ماں کے سائے سے بھی دور بھاگنا چاہتی تھی۔

مما کا کامران کے ساتھ گھومنا پھرنا پھر اسے کامران کے لیے راضی کرنا۔ وہ اس گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئی۔

مما نے آج پھر اسی موضوع پہ بات چیت کی تھی۔

اور وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"پلیز مما پلیز بند کر دیجئے یہ ڈرامہ۔ آپ کو خود بھی پتا نہیں کہ آپ کیا کر رہی ہیں۔ اور کیا کرنا چاہتی ہیں۔ ہاں لیکن یہی سچ ہے۔ آپ بذات خود کامران میں انوالو ہیں۔ مگر آپ کو اندازہ نہیں ہو رہا کہ اس کے ہیر پھیر سے کس طرح الجھیں پا چکی ہیں۔"

روشن آرا تنگ رہ گئیں۔

ذوبار یہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ ماں کے داغ دار کردار کی نشاندہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اسے کرنا پڑی۔ اس نے ہتھیلی سے آنسو رگڑ دیئے۔

"میں یہ نہیں کہتی کہ آپ اسے چاہتی ہیں یا وہ آپ کو چاہتا ہے ہاں مگر اتنا ضرور کہنا چاہوں گی عورت کو کوئی چاہے یا نہ چاہے، مگر سراہے ضرور، عمر کے آخری حصے تک اسے یہی خواہش رہتی ہے۔ اور یہی۔ یہی سراہے جانا آپ کو تباہ کر رہا ہے۔ آپ کی شخصیت کو مسخ کر رہا ہے مما۔"

وہ روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

آج اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کی ماں اچھے کردار کی عورت نہیں ہے۔ تب ہی تو پاپا نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔

محض شکلوں کی بات ہوتی تو شاید نبھ ہی جاتی تان تو کردار پہ آکر ٹوٹی تھی۔

لیکن۔ کیا پاپا مما کو سمیٹ نہیں سکتے تھے؟ سدھار نہیں سکتے تھے؟ ایک کمزور مرد ہونے کا ثبوت کیوں دیا پاپا نے؟

مرد ایسے تو نہیں ہوتے۔ مرد تو غیرت مند اور اپنی

امانت پہ نقب لگا کر خون خراب کر دینے والے، اپنی بات منوانے والے۔ اپنی عزت کو سنبھال کر رکھنے والے ہوتے ہیں۔

پاپا جیسے نہیں ہوتے اسے پاپا پہ شدید غصہ تھا۔

بات کھل جانے کے بعد مما وہ گھر چھوڑ کر اسٹیٹس چلی گئیں۔

باوجود نفرت کے، مما کے جانے کا اسے گہرا دکھ ہوا تھا۔

وہ مما کے بہت قریب تھی۔ پاپا تو بہت دیر کے بعد اس کے قریب آئے تھے۔

بہت عرصہ تک تو اس نے پاپا کو ہی مورد الزام ٹھہرائے رکھا۔ کیونکہ یہ سب کچھ ان کی کمزور قوت ارادی کے ہی نتیجہ کے تحت ہوا تھا۔ کوئی ان کے اندر کا احساس محرومی تھا۔ جس نے انہیں مضبوط اقدام سے باز رکھا تھا۔ ورنہ وہ سب کچھ برداشت کر سکتے تھے۔ سب ان کچھ۔

اور بس یہی احساس اس کے اندر بیٹھ گیا تھا۔

مرد کو ہر لحاظ سے "مرد" ہر لحاظ سے بالاتر۔ اور خوبرو ہونا چاہیے۔

اپنی خواہش کا خیال آتے ہی، اس کے سینے سے ایک سرد آہ نکلی۔ اور وہ سسکی بھر کر رہ گئی۔

+ + + +

گھر میں معمول سے زیادہ چہل پہل اور شور ہنگامہ تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی۔

اس نے آنکھیں چندھیا کر وقت دیکھا۔

دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ بستر چھوڑ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ باوجود فریش ہو جانے کے اس کا دماغ ابھی بھی حاضر نہیں ہوا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو بہت ساری خواتین کو وسطی کمرے میں دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ وہ ان سب کے درمیان گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی۔

یقیناً" یہ سب، اس کی سہیلیاں، کزنز اور آنٹیاں وغیرہ تھیں۔ اچانک اتنی ساری خواتین کو دیکھ کر اسے بہت گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ ایسے لگا، جیسے ساری ہی عورتیں بہت چالاک ہیں۔

اور اسے اچھی طرح سے پڑھ رہی ہیں۔ آنکھوں میں رات کا خمار ابھی تک قائم تھا۔ سب کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ پھر ان لوگوں کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ حالانکہ اسے بیٹھنے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ اس کی آمد سے خواتین میں کھلبلی سی مچ گئی اور ہنسی مذاق ہونے لگا۔

ورشہ سب سے زیادہ مسرور اور سرشار تھی۔ اور سب سے زیادہ اس نے آفت مچائی ہوئی تھی۔ جہاں داد اس وقت اس آفت لڑکی سے دل ہی دل میں پناہ مانگ رہا تھا۔ کہیں یہ اس کی جان کو نہ آجائے۔

اس نے کن انکھیوں سے دیکھا، وہ ذوباریہ کے پہلو سے چپکی بیٹھی تھی۔

"ہم ذوباریہ کو لینے کے لیے آئے ہیں، آپ کی اجازت ہو تو لے جائیں؟" ورشہ نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ آہستہ سے مسکرا دیا۔ "ابھی تو آپ لوگ آئے ہیں، کچھ دیر تو بیٹھیے۔"

"ماشاء اللہ، جناب۔ ہم بہت دیر سے آئے ہوئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ آپ دیر سے ہمارے پاس پہنچے ہیں۔"

وہ شرمندہ ہو کر صفدر کی طرف متوجہ ہو گیا، جو ناشتے کا سامان میز پہ سجا رہا تھا۔

"جہاں داد صاحب! اس معاملے میں آپ بہت خوش نصیب ہیں۔" ذوباریہ کی ایک کزن بولی۔

"وہ کیسے؟" اسے مسکرا کر شامل گفتگو ہونا پڑا۔

"آپ کو بیوی بہت سمجھ دار ملی ہے، ابھی سے آپ کے آرام کا اتنا خیال ہے اسے کہ ہمیں اپنے کمرے میں بٹھانے کے بجائے یہاں ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ مبادا آپ کی نیند ڈسٹرب نہ ہو جائے۔" اس بات پہ ایک زوردار نسوانی قہقہہ پڑا۔

"لیجیے، آپ لوگ، چائے وغیرہ لیجیے۔" اس نے گویا اپنی طرف سے ٹالا۔

ورشہ سب کو چائے سرو کرنے لگی۔

"ویسے اس موقع پر ساس نندوں کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے اب دلہن بے چاری خود ہی مہمان

انٹیلیڈ کر رہی ہے۔" کسی آنٹی نے کہا۔

"ہاں۔ آپ کے گھر والوں کو رات چلے نہیں جانا چاہیے تھا۔ بڑا عجیب سا لگا ان لوگوں کا چلے جانا۔ کیا ان لوگوں کی پسند سے نہیں ہوا تھا یہ رشتہ؟" دوسری بھی شامل گفتگو ہو گئی۔

اس کے چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی۔

"نہیں' ایسا تو نہیں ہے۔" اس کے بجائے ورشہ نے جلدی سے جواب دیا۔

"جو لڑکے اپنی پسند کی شادی کر لیتے ہیں۔ والدین ان کی شادیوں میں مہمانوں کی طرح ہی شریک ہوتے ہیں' معاف کیجئے گا۔ جہاں داد کے گھر والوں کے رویوں سے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔"

ورشہ نے گھبرا کر جہاں داد کی طرف دیکھا۔

وہ چپ چاپ چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

"نہیں' ایسا تو نہیں ہے آنٹی! سب ہی کچھ سب کی رضامندی اور پسند سے ہوا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ شہری زندگی زیادہ پسند نہیں کرتے۔"

"کیوں سر؟ ایسا ہی ہے ناں؟" ورشہ نے جہاں داد کی طرف دیکھا تو وہ ہنس پڑا۔

"آپ اب بھی مجھے سر کہہ کر ہی مخاطب کریں گی؟ حالانکہ اب ہمارا رشتہ خاصا تبدیل ہو گیا ہے۔"

ذوباریہ نے بے انتہا چونک کر جہاں داد کی طرف دیکھا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے نگاہیں جھکا لیں۔

(جس رشتے کو آپ نے خود قبول نہیں کیا۔ دوسروں پہ کس حیثیت سے لاگو کریں گے) ذوباریہ بس یہ سوچ کر رہ گئی۔

ورشہ کھسیا کر ہنس پڑی۔

"آئی ایم سوری' بس عادت پڑ گئی ہے آپ کو 'سر' کہنے کی' اسی لیے دوسرے کسی رشتے کا خیال ہی نہیں آیا۔"

"ویسے ذوباریہ کو تو یہ عادت نہیں ہے۔" ذوباریہ کی آنٹی نے چٹکلہ چھوڑا۔ اس طرح جیسے گھیرے میں لیا ہو۔ جہاں داد ہنس پڑا۔

"ابھی عادات ایک دوسرے پہ منکشف نہیں ہوئیں۔" ذوباریہ کا دل جیسے کسی نے نوچ لیا ہو۔

(اس سے بڑھ کر بھی ابھی کچھ اور مجھ پہ منکشف کرنا باقی ہے)

"مان لیا' اگر ذوباریہ نے بھی آپ کو سر ہی کہا تب؟" اس کی کزن نے جان بوجھ کر مزہ لیا۔

"تب تو مجھے سر بننا ہی پڑے گا۔" اس نے چہرے پہ رعب لا کر کہا۔

سب ہنس پڑیں۔

"اچھا بھئی' اب ہمیں اجازت دو' چلتے ہیں۔" ورشہ کی امی اٹھ کھڑی ہوئیں' باقی سب نے بھی ان کی پیروی کی۔

باری باری سب نکلنے لگے۔

"خدا حافظ۔ جیجا جی!" آخر میں ورشہ نے شرارت سے کہا۔

"جیجا جی!" اس نے آنکھیں نکالیں۔

ورشہ ہنس پڑی۔

"اب یہ تو میں اپنی سہیلی سے پوچھ کر فیصلہ کروں گی کہ آپ کو جیجا جی بنانا زیادہ مناسب ہے یا آپ دولہا بھائی ہی ٹھیک رہیں گے۔"

جہاں داد اس کی شرارت پہ ہنس پڑا' اور وہ یونہی ہنستے مسکراتے گھر سے نکل گئیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

پاپا سے مل کر اس نے اپنے حوصلے کو کتنا آزمایا تھا کہ ایک آنسو بھی ان کے سامنے گرنے نہیں دیا تھا۔ اور وہ کتنی بے کلی سے پوچھ رہے تھے۔

"تم خوش تو ہو ناں میری جان!"

ان کے لہجے میں بے پناہ اندیشے ناچ رہے تھے۔ کئی فکریں' کئی بے چینیاں دل میں کلبلا رہی تھیں۔ اور وہ سب سمجھ سکتی تھی کہ انہیں اندیشوں نے کیوں گھیر رکھا ہے۔ بس اسے تو اپنی طرف سے انہیں مطمئن کرنا تھا ہر ممکن طریقے سے کہ وہ واقعی خوش ہے۔ اور پھر وہ جیسے شانت ہو گئے تھے۔

سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد ورشہ اسے اس کے کمرے میں لے آئی' وہ بے حد مشتاق تھی یہ جاننے کے لیے کہ اسے رونمائی میں کیا تحفہ ملا ہے۔

"آخر تمہیں اتنی بے چینی کیوں ہے؟" ذوباریہ

اس انداز سے مسکرا کر بولی۔ ورشہ اس کے قریب کھسک آئی اور کریدنے لگی۔

"رونمائی میں دیا گیا تحفہ دلہن سے شوہر کی طرف سے پیار یا ضابطہ اظہار کہلاتا ہے۔ یعنی اسے دینے والے کی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے۔

انسانی رویوں پہ نفسیات کا مشاہدہ اس معاملے میں یہ کہتا ہے۔"

جو مرد رونمائی میں اپنی بیوی کو زنجیر پہناتے ہیں وہ بیویوں کے لیے حاکم قسم کے مرد ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اس تعلق کو تمام عمر نبھاتے بھی ہیں۔

جو مرد زنجیر کے ساتھ لاکٹ بھی پہنائے' وہ خاصا عاشق مزاج ہوتا ہے۔

جو مرد کو بندے پہنائے' وہ زندگی میں توازن کا قائل ہوتا ہے۔ یعنی اسے گھریلو عورتیں زیادہ پسند ہوتی ہیں۔

جو مرد ہاتھ میں کنگن پہناتے ہیں۔ ان کی محبت پاکیزہ اور لازوال ہوتی ہے۔ اور جو انگوٹھی پہناتا ہے اس کے کردار پہ بیوی کو زیادہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے اس کی ذات میں تھوڑی بے وفائی ہوتی ہے۔

جو مرد لباس کا تحفہ دیتا ہے۔ اس کی رگ رگ میں تحفظ کا احساس رچا بسا ہوتا ہے۔ اور تم یہ بتاؤ تمہیں کیا ملا؟"

اس کے بے پناہ اصرار پہ ذوباریہ نے اپنی ہتھیلی ورشہ کے سامنے کھول دی۔ ہتھیلی کے وسط میں جلے ہوئے زخم کا نشان' ورشہ گنگ رہ گئی۔

"اس بارے میں تمہاری نفسیات کیا کہتی ہے؟"

ورشہ نے تحیر سے ذوباریہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ورشہ نے تڑپ کر بے ساختہ اپنے ہونٹ اس کے زخم پہ رکھ دیئے۔

"یہ۔ یہ۔ کیا ہے؟ ذوبی!" وہ تڑپ اٹھی۔

اس کی تکلیف کا احساس اسے اپنے وجود میں محسوس ہونے لگا اور پھر دوسرے ہی لمحے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ذوباریہ اس کا لمس پاتے ہی نے سسکتے ہوئے بکھر گئی۔

"وہ اچھے آدمی نہیں ہیں ورشہ وہ بالکل اچھے آدمی نہیں ہیں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ یہاں تک کہ وہ سب کچھ کہہ گئی جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔

ورشہ ورطہ حیرت میں مبتلا تھی۔

+ + + +

ابھی اس کی نیند بھی اچھی طرح سے نہیں ٹوٹی تھی کہ ورشہ نے آکر اسے ہلا دیا۔

"جلدی سے اٹھ جاؤ۔ تمہارے صاحب جی آئے بیٹھے ہیں تمہیں لے جانے کے لیے۔"

"نواب؟" اس کے دماغ پہ زور کا دھماکا ہوا۔

"کیوں کیا دوبارہ گھر نہیں جانا تھا؟" ورشہ کو اس کی بات پہ غصہ آیا۔

ذوباریہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی' وہ سخت خفا اور بے بس دکھائی دے رہی تھی۔

"دل تو چاہتا تھا نواب صاحب کے ہوش ٹھکانے لگا دوں۔ بڑے معززن کر آئے ہیں' ایسا سیدھا کروں کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے بدتمیز شخص۔"

"افسوس کی بات ہے' ابھی تک اپنے ارادے پہ عمل نہیں کیا۔"

ذوباریہ نے اس کے پھولے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا یوں جیسے اس کی اور اپنی بے بسی پہ ایک ساتھ ہنس رہی ہو۔

"کیا کروں۔ رشتہ ہی ایسا ہے؟ ورنہ میں ایک منٹ میں سیدھا کر کے رکھ دیتی انہیں۔ امی کہتی ہیں جس شخص کو ایک بار بیٹی دے دی جاتی ہے۔ ساری عمر کی عزت اس کے ساتھ بندھ جاتی ہے۔ اپنی عزت کی خاطر اسے تمام تر اچھائیوں اور برائیوں سمیت ہمیں قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ زندہ انسانوں کے فیصلے ہیں کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں' بعض اوقات آنکھوں دیکھی مکھی بھی نگلنا پڑتی ہے صرف عزت کی خاطر۔"

ذوباریہ کو اپنی ماں کا خیال آگیا اور اس کے دل سے گہری سرد آہ نکلی۔

"ہر ماں کا اپنا اپنا نظریہ ہوتا ہے۔"

"لیکن بیٹیوں کے معاملے میں تمام ماؤں کے نظریات ایک جیسے ہوتے ہیں اور ویسے بھی میری امی تجربہ کار عورت ہیں۔"

ذوباریہ تاسف سے ہنس پڑی۔ ورشہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"یوں پڑے رہنے سے کام نہیں چلے گا۔ فافٹ اٹھو اور دس منٹ میں تیار ہو جاؤ انکل نے سختی سے تاکید کی ہے دیر نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے بھی وہ کافی دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور میں مہمان نوازی کے دورانیے مکمل کر چکی ہوں۔"

"مگر ورشہ میں کیسے چلی جاؤں؟" اسے رونا آ گیا۔

ورشہ بھی کچھ دیر تک خاموش بیٹھی سوچتی رہی۔ پھر بولی۔

"اب یوں رکنا بھی تو مناسب نہیں' انکل وجہ پوچھیں گے۔ بات بڑھے گی۔ پھیلے گی۔ انہیں دکھ ہو گا تمہیں جانا ہی ہو گا۔"

"مگر میں کیسے جاؤں گی؟" وہ تقریباً رو پڑی۔

ورشہ اس کے قریب آ گئی۔ "ہو سکتا ہے آج حالات مختلف ہوں۔ انہیں اپنے کل کے رویے پر یقیناً شرمندگی ہوگی۔ تب ہی تو لینے آئے ہیں۔ اور پھر وہ ایک پڑھے لکھے شخص ہیں یہ غیر مہذب حرکت ان کی شخصیت کا خاصہ نہیں لگتی۔ تم جاننے کی کوشش کرو کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔"

"ظاہری سی بات ہے میں انہیں پسند نہیں ہوں۔" ذوباریہ نے چڑ کر کہا۔

"اتنی پیاری لڑکی کو کوئی پاگل بھی ناپسند نہیں کر سکتا۔ میں آج تمہیں اتنا پیارا تیار کر کے بھیجوں گی کہ وہ واقعی تمہیں دیکھ کر بے ہوش ہو جائیں گے۔ اور ساری خفگی سارا غصہ بھلا دیں گے۔ چلو اٹھو فافٹ۔"

"نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔" ذوباریہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

اسی لمحے فائق احمد خود کمرے میں آ گئے۔

"کیا بات ہے' ذوبی بیٹا! آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں ورشہ بیٹا تم نے اس کو بتایا نہیں تھا۔"

وہ اسے تساہل سے لیٹا دیکھ کر کچھ فکر مند ہوئے۔

"انکل یہ سو رہی تھی۔ بس اسی لیے دیر ہو گئی۔ آپ چلیے' ہم ابھی آتے ہیں۔"

"اوکے' زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے۔" وہ واپس چلے گئے۔

ذوباریہ نے ورشہ کی طرف بے حد بے بسی سے دیکھا۔ پھر آنسو صاف کرتے ہوئے طوعاً" کرہاً" بستر چھوڑ دیا۔

اس کی تمام تر تیاری میں ورشہ کی کوشش التجاؤں اور دھمکیوں کا اثر تھا۔ اس نے گم صم سے انداز میں آئینے پہ آخری نگاہ ڈالی۔ بلیک جارجٹ کی منقش والی ساڑھی ہم رنگ ہاف سلیولیس بلاؤز سادہ نفیس جیولری۔ اور رات کی مناسبت سے میک اپ۔

"پیار آ رہا ہے ناں خود پہ۔" ورشہ برابر میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

ذوباریہ نے کھوئے کھوئے سے انداز میں ورشہ کی طرف دیکھا۔

"کل کیا میں بہت بری لگ رہی تھی' جو انہوں نے میرے ساتھ ایسی بدسلوکی کی؟" ورشہ لاجواب ہو گئی۔ ذوباریہ کے آنسو نکل پڑے۔

"دیکھو ذوباریہ! اگر تم نے پھر سے یہ مینہ بہانے شروع کیے ناں میں کسی کا لحاظ نہیں کروں گی۔ ابھی جا کر لڑ پڑوں گی ان سے۔ بھلے تمہارے ساتھ پھر کچھ بھی ہو۔ پھر مجھے بچا بچا کٹنی مت کہنا۔"

ذوباریہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرا ان کی طرف دیکھا۔ ساڑھی کا پلو سمیٹ لیا۔

"پاپا کے سامنے میں اس حلیے میں جاؤں گی؟" اسے اپنے ننگے بازوؤں پہ شرمندگی ہوئی۔ ورشہ نے شال اس کے کاندھوں پہ ڈال دی۔

"اب تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ذوباریہ تشکر سے ہنس دی۔ دونوں ساتھ ساتھ باہر آ گئیں۔

جہاں دادا اور فائق احمد' ایک دوسرے سے محو گفتگو تھے۔ شاید سیاست پہ بات چیت ہو رہی تھی۔

وہ نکھرا ستھرا ان کے مقابل بیٹھا تھا۔ کس قدر

تہذیب سے شائستہ گفتگو کر رہا تھا۔

کل تو خواب دیکھا تھا اس نے' پھر تعبیر اس قدر الٹ کیوں ہوئی۔ اس کے دل پہ گھونسا سا لگا۔

"دیکھئے سر! آپ کی مسز حاضر ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ورشہ کا لہجہ کمزور ا ہو گیا تھا۔

جہاں واد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پہ بہت ساری شکایات درج تھیں۔ اس کا مطلب تھا' ذوباریہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔

اس نے ذوباریہ کی طرف دیکھا۔ تو گنگ رہ گیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس نے نگاہیں پھیر لیں۔ پھر اجازت طلب کرتے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا۔ سر! اجازت دیجئے۔ چلتے ہیں۔"

"بھئی یہ کیا مصیبت ہے۔ وہ تمہیں سر' تم مجھے سر۔ کیا ہم نے ابھی تک نئے رشتے قبول نہیں کیے۔ یہ کیا اجنبیت ہے۔" فائق احمد برامان گئے۔

جہاں واد باری باری ورشہ پھر ذوباریہ پہ نگاہ ڈالی۔ پھر تلافی سے مسکرا کر جتانے والے انداز میں بولا۔

"پرانی عادت ہے' سر! چھوٹتے سے ہی چھوٹے گی۔"

ورشہ تو ورشہ ذوباریہ بھی حق دق رہ گئی' بہرحال فائق احمد نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔

وقت رخصت فائق احمد نے بیٹی داماد کو دست شفقت سے نوازا دونوں آگے پیچھے گھر سے نکل گئے۔

راستہ خاموشی سے طے ہو رہا تھا۔ ذوباریہ نے ابھی تلک اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود کوئی بات کرے گا' لیکن وہ بے حس پتھر کی طرح بیٹھا تھا۔ نہ اس پہ نگاہ ڈالی تھی' نہ ہی کوئی اور بات کی تھی۔

ذوباریہ نے کن آنکھیوں سے دیکھا۔ کل کے رویے کا اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔ نہ شرمندگی نہ افسوس۔

اس کی روح کانٹوں کے جھاڑ میں الجھنے لگی۔ ذلت کا احساس دل ہی دل میں چوکے دے رہا تھا۔ کہ وہ اس کے ساتھ کیوں چلی آئی۔ اور کس خوش فہمی کے تحت چلی آئی۔ وہ تو اس طرح بیٹھا تھا۔ جیسے وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے' بالکل ٹھیک ہے۔

کوئی مرد اس قدر بے حسی کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔

ذوباریہ کو اپنی بے قدری پہ رونا آ گیا۔

لیکن اس نے دل ہی دل میں خود کو ڈانٹا کہ وہ آج بالکل نہیں روئے گی' کم از کم اس کے سامنے تو بالکل نہیں۔

اس نے گھر کے سامنے گاڑی روک لی۔

ذوباریہ اس سے پہلے اتر کر اندر چلی گئی۔ راستے بھر جس طرز عمل کا اس نے مظاہرہ کیا تھا۔ اچھا سلوک اس کے ساتھ نہیں کر سکتا۔

ہر طرح کی خوش فہمی دم توڑ چکی تھی۔

اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے یہی سوچا تھا کہ وہ آج جائے گی۔ جو اس بھیڑیے کی خلوت گاہ ہے۔

اس نے آنا" فانا" سارے گھر کا جائزہ لے ڈالا۔

اس کے ذاتی بیڈ روم کے علاوہ ڈرائنگ روم' کچن' اسٹور۔ صد شکر کہ ایک کمرہ اور بھی تھا۔ جو اس کے کمرے کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے تشکر بھرا سانس خارج کیا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے پھر مایوس ہو گئی اس کمرے میں بستر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ جس پہ وہ جیسے تیسے رات گزار لیتی۔

اس نے ساڑھی کا پلو سمیٹا۔ پھر بھاگ کر اس کے کمرے میں آئی۔ بیڈ پہ سے ایک تکیہ اٹھا لیا۔ پھر کمبل سمیٹا۔ ایک عدد چادر کھینچی۔ اتنی ساری چیزیں۔ اور کوفت زدہ لباس ساڑھی' جس میں وہ پہلے ہی الجھن محسوس کر رہی تھی۔

کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ وہ سب پہلے اپنا لباس تبدیل کر لیتی۔

باری باری وہ سب چیزیں اپنے کمرے میں رکھ آئی۔

پھر جلدی جلدی سینڈل اتارے۔ اب بھاگنے دوڑنے میں کوئی مشکل در پیش نہیں تھی۔ پھر واپس اس کے کمرے میں آئی۔ وارڈروب کھولا۔ اپنا ایک

ہلکا پھلکا سا ہوا نکلا۔ اسے بیٹھنے سے لگا کر مڑی لیکن۔ دوسرے ہی لمحے اس کے قدم زمین میں جم گئے۔ وہ کمرے سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ وہ دروازے میں ایستادہ تھا۔

ذوباریہ نے نفرت سے نگاہیں پھیر لیں۔ وہ بالکل کل والی پوزیشن میں آچکا تھا۔

"میرے راستے سے ہٹ جائیے۔" اس نے سنگ کر کہا۔

جہاں داد نے اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر دور پھینک دیئے۔

"چلی جانا۔ مگر۔ ابھی۔ ابھی۔ ابھی۔ نہیں۔"

ذوباریہ غصے سے کانپ اٹھی۔ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

"جب آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔ تو پھر یہ تعلق بھی زبردستی نبھ نہیں سکتا۔ سب سودے محبت کے ہوتے ہیں۔" اس کی بات پر وہ یکدم بھڑک اٹھا۔ اس کے بالوں کو پکڑ کر پیچھے کی طرف جھٹکا پھر اس پہ جھک کر غضبناک لہجے میں بولا۔

"جب جب تعلق تم زبردستی بنا سکتی ہو۔ اسے زبردستی نبھاؤ بھی۔"

وہ اس وحشت سے چلایا تھا کہ اس کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ پھر ایک جھٹکے سے اس نے اپنی مٹھی سے اس کے بال آزاد کر دیئے۔

"آپ کے دل میں میری طرف سے جو بھی نفرت ہے اس کا اظہار ہوش میں آکر کیجئے۔ یہ کھوکھلے سہارے لینے کی ضرورت کیوں؟" وہ تقریباً غرائی۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اور پھر جیسے پھٹ پڑی۔

"میں بھی تو دیکھوں۔ میری طرف سے کتنی نفرت ہے آپ کے دل میں۔ انتقام کی کیا حد ہے؟ ہر طرح کا ظلم سہ جائے گی ذوباریہ احمد مگر۔ یہ بے خبری کی موت نہیں۔ سمجھے آپ۔"

امت ہو۔ تو کبھی ہوش میں آکر نفرت کا اظہار کیجئے گا مجھ سے۔ ملک صاحب۔ ہوش میں آکر۔"

دوسرے ہی لمحے جہاں داد کا زنانے دار تھپڑ اس کی زبان بند کر گیا۔

"زیادہ بکواس پسند نہیں ہے مجھے۔" وہ غرایا۔

اور وہ جیسے جسم میں جا پڑی۔ اس نے لبالب پانیوں سے بھری نگاہیں اٹھائیں۔ وہ بالکل وحشت تھا۔ اسے خود خبر نہیں تھی کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

اس کی طرف دیکھ کر ذوباریہ نفرت سے ہنس پڑی۔

"تکلیف دے کر شوق نظارہ کی صلاحیت تو پیدا کیجئے پہلے۔ تاکہ۔ زخم سہنے میں مجھے بھی لطف آئے اور آپ کو بھی۔"

وہ کمرے سے باہر نکلنے لگی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے جہاں داد نے اس کی ساڑی کا پلو پکڑ لیا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی وہ خود بری طرح سے لڑکھڑایا۔ اور اگلے ہی لمحے کسی شکستہ دیوار کی طرح بستر پہ ڈھیر ہو گیا۔

جیسے کوئی بلا نے ناگہانی ٹل گئی ہو۔

کچھ اسی کیفیت میں ذوباریہ نے اس کے مدہوش وجود کو دیکھا۔ پھر بڑی احتیاط سے اس کا بازو اپنی گردن پہ سے ہٹا دیا اور سیدھی ہو بیٹھی۔

وہ اوندھا پڑا ہوا تھا۔ اور وہ دزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور پھر نہ جانے کتنے ہی لمحے اس نے چپ چاپ آنسو بہاتے گزار دیئے۔

"یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔" اس نے قابل رحم نگاہ اس کے وجود پہ ڈالی۔

معاشرے کا ایک مہذب اور ذمہ دار شخص۔ اس نے تلخی سے سوچا۔

"اس طرح آپ کسے اذیت پہنچا رہے ہیں سرا مجھے یا خود کو؟"

وہ متاسف انداز میں اس کے وجود پہ کمبل ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ واش بیسن پہ جھکا کھڑا تھا۔

کئی قے کر لینے کے بعد بھی طبیعت کی متلی اور دماغ کی چکراہٹ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

سر اب بھی بری طرح چکرا رہا تھا۔ جیسے ریل گاڑی سے ابھی ابھی اتر کر کھڑا ہوا ہو۔ منہ ہاتھ

[illegible] کے بعد اس نے تولیے سے ہاتھ منہ پونچھا۔ شرٹ اتار کر پھینک دی۔ جس میں سے غلاظت کی بو اٹھ رہی تھی۔ دوسری شرٹ بدلنے کی بھی مہلت نہیں ملی۔ کہ اسی اثناء میں فون کی بیل بج اٹھی۔

چند ثانیے اس نے فون کی گھنٹی پہ غور کیا۔ پھر باہر نکل کر فون اٹھا لیا۔

دوسری طرف ورشہ تھی۔

جہاں داد کو بہ وقت تمام خود کو حاضر کرنا پڑا۔ ورشہ نے بھی چوڑی بات نہیں کی۔ مختصر حال احوال کے بعد ذوباریہ کا پوچھنے لگی۔

اسے خود پتا نہیں تھا کہ ذوباریہ کہاں ہے۔ ساری رات اتنا بے خبر رہا تھا۔

اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہ اس کے گھر میں بھی ہے یا نہیں۔ اسے ہولڈ کرنے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے سے نکلا۔ وہ ڈرائنگ روم میں صوفے پہ کمبل میں لپٹی سمٹی سوئی تھی۔ سر سے لے کر پاؤں تک اس نے اس طرح کمبل تان رکھا تھا۔ جہاں داد کو چند لمحے رک کر سوچنا پڑا کہ وہ کس طرف سے کمبل ہٹائے۔ جو اس کے چہرے کے درشن ہوں۔ پھر اس نے جھنجلا کر ایک طرف سے کمبل ہٹا دیا۔ صبح کی روشنی کی طرح اس کا چہرہ نگاہوں کے سامنے روشن تھا۔ جہاں داد ٹھٹک گیا۔ اور چند ثانیے ساکت کھڑا اس کے مدہوش حسن کو دیکھتا رہا۔ اور پھر جیسے خود بخود اس کی نگاہیں اس کے حسن سے الجھ کر رہ گئیں۔

سوئی ہوئی عورت بند کتاب کی طرح ہوتی ہے جو تجسس ابھارتی ہے۔

سو اس وقت وہ اسے کسی حسین راز کی طرح لگی پوشیدہ، چھپی ہوئی، معصوم اور پاکیزہ۔ پھر نہ جانے اس پہ کس قسم کے احساسات غالب ہونے لگے۔ اس نے سر جھٹک دیا۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ جگانے کی غرض سے اس پہ جھکا اور اس کا گال تھپتھپا دیا۔

ذوباریہ نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں اور پھر اسے خود پہ جھکا پا کر اس کی چیخ نکل گئی۔

اس کا رد عمل اس قدر بے ساختہ اور فوری تھا کہ جہاں داد خود اس کی چیخ سے ڈر گیا۔ ڈر گیا کیا۔ بلکہ ہوش میں آ گیا۔

"واٹ نان سینس۔" اگلے ہی پل اس کی پیشانی پہ ناگواری کی لکیریں ابھر آئیں۔ ذوباریہ سکڑ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"ورشہ کا فون ہے جا کر سن لو۔" بے لچک انداز میں کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔

ذوباریہ فون کی اطلاع پہ بستر سے اٹھ گئی۔ لیکن اس کا دل ابھی بھی تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

جاتے جاتے ذوباریہ نے ایک بار پھر مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ نیلی پتلون پہ بنا شرٹ کے اس سخت سردی میں وہ کس طرح دندناتا پھر رہا تھا۔ لاحول والا انسان ہے یا کوئی پتھر" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ جو انسان احساسات سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ کیا ان پہ موسم بھی اثر انداز ہونا چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ فون سننے کمرے میں چلی گئی۔

ابھی وہ باتیں کر ہی رہی تھی کہ جہاں داد واپس کمرے میں آ گیا۔ وارڈ روب کھولی، اپنے کپڑے نکالے پھر باتھ روم میں گھس گیا۔

ذوباریہ ورشہ کا پیغام ریسیو کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

ابھی وہ منہ ہاتھ دھو ہی رہی تھی کہ صفدر آ گیا۔ سلام جھاڑنے کے بعد وہ اپنے معمول کے کاموں میں لگ گیا۔ وہ کچن میں آ گئی۔

"کیا ناشتا کریں گی بی بی جی آپ؟" وہ سب کام چھوڑ کر اس کی طرف لپکا۔

"ناشتا۔" ذوباریہ کو سوچنا پڑا کہ وہ کیا ناشتا کرے۔

"ایسا کرو۔ ایک کپ اچھی سی چائے بنا دو۔ بنانی آتی ہے؟"

"کیوں نہیں جی۔"

"مگر تمہارے صاحب تو چائے نہیں پیتے ہیں؟"

"پر میں تو پیتا ہوں جی۔"

"اچھا۔ چلو پھر بناؤ۔" وہ اخبار کھول کر وہیں بیٹھ گئی۔

"آپ ناشتا کیا کریں گی بی بی جی؟ میرا مطلب ہے

مجھے بتا دیجئے گا' میں لے آؤں گا۔" وہ چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے بولا' ذوباریہ نے چائے اس کے ہاتھ سے لے لی۔

پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"تمہارے صاحب کس چیز کا ناشتا کرتے ہیں؟۔"

"وہ تو جی بہت کچھ کھاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے روزانہ کوئی ایک چیز کا ناشتا نہیں کرتے۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں ایسی کون سی چیز بناؤں' جو تمہارے صاحب شوق سے کھانا پسند کریں۔"

"وہ تو جی ہر چیز شوق سے کھا لیتے ہیں۔ سوائے چائے کے۔" صفدر دانت نکوستے ہوئے بولا۔

"شاید کی بات ہے۔" ذوباریہ تلخی سے ہنسی۔

"ٹھیک ہے تم ایک تازہ ڈبل روٹی اور انڈے لے آؤ۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ صفدر نے حکم کی تعمیل کی۔

تقریباً دو گھنٹے ہو گئے تھے اور وہ ابھی تک کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ اسے عجیب سا لگنے لگا۔

"چھٹی کا دن ہے۔ صاحب جی دیر تک سونے کے عادی ہیں۔" صفدر نے اس کی پریشانی سمجھتے ہوئے اطلاع پہنچائی۔ لیکن جس وقت وہ فون پہ بات کر رہی تھی۔ وہ نہانے گیا تھا۔ اس نے دماغ پہ زور ڈالا۔ پھر جھنجلا کر بولی۔

"صفدر! کمرے میں جھانک کر دیکھو۔ تمہارے صاحب کیا کر رہے ہیں؟۔"

صفدر کمرے میں جھانک کر آگیا۔ "بی بی جی' وہ سو رہے ہیں۔"

"خیریت کی بات ہے۔ کوئی نہا کر دوبارہ بھی سو جاتا ہے۔" پھر وہ اس کے بغیر ہی ناشتا کرنے لگی۔

تھوڑی دیر میں جہاں داد کی آواز آئی۔ وہ صفدر کو پکار رہا تھا۔ صفدر الٹے پیروں لپکا۔ ذوباریہ نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔

وہ اسے کسی دوا کے بارے میں بتا رہا تھا کہ وہ میڈیکل اسٹور سے خرید لائے۔

صفدر بازار چلا گیا۔ وہ کچن میں بیٹھی پریشان ہوتی رہی۔ جب تک وہ بازار سے نہیں آگیا۔ اس کی پریشانی دور نہیں ہوئی۔ صفدر اسے دوا اور پانی دے آیا تھا۔

"بغیر ناشتے کے ہی تم نے اپنے صاحب کو دوا دے دی؟۔"

"وہ جی۔ میں نے پوچھا تھا۔ کہنے لگے۔ جب ضرورت ہوگی لے لوں گا۔ ابھی فی الحال دوا دے دو۔"

ذوباریہ اور بھی پریشان ہو گئی۔ "کیا بخار وغیرہ ہے انہیں؟۔"

صفدر نے حیرانی سے اس کی شکل دیکھی۔

"آپ کو نہیں پتا جی؟۔" دوسرے ہی پل ذوباریہ شرمندہ ہو گئی۔

(ملازم کیا محسوس کرے گا۔ دو دن کے میاں بیوی اور اتنی لاتعلقی)

"وہ تمہارے صاحب ڈاکٹر کے پاس نہیں گئے ناں۔ میں اس لیے کہہ رہی تھی۔ خود بخود دوا تجویز کر لینا تو اچھا نہیں ہوتا ناں۔" ذوباریہ کھسیا کر بولی۔

پھر کہنے لگی "صاحب سے پوچھ کر آؤ۔ زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کو بلاؤں؟۔"

صفدر پیغام لے کر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں اترے چہرے کے ساتھ باہر آیا۔

"وہ جی۔ صاحب مجھ پہ بگڑ رہے ہیں کہہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اور اب میرے کمرے میں بھی مت آنا۔"

لگتا تھا' بے چارہ اچھی خاصی ڈانٹ سن کر آیا ہے۔ ذوباریہ خاموشی سے کچن سے باہر نکل گئی۔

صفدر گھر کے کام کاج کرتا رہا۔ کچھ دیر تک وہ ٹی وی چلا کر یونہی بیٹھی رہی۔ پھر اسے میوزک سننے کا خیال آیا تو ٹیپ ریکارڈ تلاش کرنے لگی۔

ٹیپ یا ڈیک نما چیز اسے کہیں دکھائی نہیں دی۔ تو اس نے صفدر کو آواز دی۔ صفدر لپک کر دوڑا آیا۔

"سنو' تمہارے صاحب گانے وانے نہیں سنتے؟۔" اس نے سخت بوریت سے پوچھا۔ اسی اثناء میں اس کی نگاہ جہاں داد پر پڑی۔

وہ قمیض کے بٹن بند کرتا ہوا کوریڈور سے باہر نکلا تھا۔

"سنتے ہیں جی۔ مگر اپنے کمرے میں۔" صفدر کی چونکہ اس طرف سے پشت تھی اس لیے اسے معلوم نہیں ہو سکا کہ جہاں داد اس کے پیچھے سے گزر کر باہر نکل گیا ہے۔

"اچھا!" ذوباریہ چپ ہو گئی۔

"بی بی جی! آپ کے جہیز میں بھی تو ٹیپ ریکارڈ ہو گا۔" ذوباریہ نے چونک کر صفدر کی طرف دیکھا۔

"مطلب آپ شوقین لگتی ہیں۔ اس لیے پوچھ رہا تھا۔"

"ہاں ٹیپ ریکارڈ تو ہے اور بہت اچھا ہے لیکن سب ہی کچھ ابھی ادھر ہی رکھا ہوا ہے۔ ادھر کچھ بھی شفٹ نہیں ہوا۔ شادی جلدی جلدی ہوئی تھی ناں۔ اس لیے۔

رفتہ رفتہ سارا سامان ادھر ہی آجائے گا لیکن تب تک تمہارے صاحب کی چیزوں سے ہی گزارہ کرنا جب۔"

اس نے ہنس کر سادہ سے لہجے میں کہا۔ صفدر مسکرا کر کچن میں واپس چلا گیا۔

سارا دن ہو گیا تھا اور وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

ذوباریہ کا انتظار کر کر کے برا حال تھا۔ ورشہ کے تین فون آچکے تھے۔ اس نے رات کے کھانے پہ انوائٹ کیا تھا۔ لیکن اس کا اصرار یہ تھا کہ وہ جلدی پہنچ جائے جبکہ ذوباریہ نے ابھی تک جہاں داد کو مطلع بھی نہیں کیا تھا کہ وہ رات کھانے پہ مدعو ہے۔ صبح جو نکلا وہ سو رہا تھا۔

پھر طبیعت کی ناسازی کا اسے پتا چلا تھا اور اب تو حد تھی۔ کہ وہ جب سے گیا لوٹا ہی نہیں تھا۔

مغرب کی اذانیں ہو کر بھی کافی دیر ہو چکی تھی۔ تب وہ گھر میں داخل ہوا۔ صد شکر کہ صورت تو نظر آئی۔ ذوباریہ نے اسے دیکھ کر دل ہی دل میں سوچا۔ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ رسالہ رکھ کر سوچنے لگی کہ اب جا کر اس سے بات کرنی چاہیے۔

اگر اس نے انکار کر دیا تو وہ ورشہ کو روک دے گی۔ اور اگر ہامی بھرلی تو تیاری شروع کر دے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ سر پہ رومال باندھے جاء نماز پہ کھڑا تھا شاید مغرب کی نماز ادا کر رہا تھا۔ وہ اسے نماز کی حالت میں کھڑا دیکھ کر گنگ رہ گئی۔

کس قدر تعظیم سے وہ اپنے رب کے سامنے عجز و انکساری سے کھڑا تھا۔ کتنا ادب اور لحاظ تھا اس کے ایک ایک انداز میں۔ پھر وہ رکوع میں گیا۔ پھر سجدے میں۔

جب وہ سجدے سے دوبارہ اٹھا تو ذوباریہ کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ کتنی عقیدت سے نماز کا ایک ایک رکن ادا کر رہا تھا۔ اس نماز کا حسن اس کے چہرے بلکہ پورے ماحول پہ چھا گیا تھا۔

وہ تو ایک وقت کی نماز ادا نہیں کرتی۔ اسے بے حد ندامت محسوس ہوئی۔

لیکن دوسرے ہی پل شیطان نے اسے مطمئن کر دیا۔ اور دلیل بھی ایسی یاد دلائی کہ وہ خود بخود اپنے آپ کو اس سے زیادہ پاک اور معتبر سمجھنے لگی۔

تین انسانوں کی نماز تو کسی بھی حالت میں قبول ہی نہیں ہوتی۔ (اور ان میں سے ایک شرابی ہے) اور ان میں سے ایک جہاں داد ملک آپ جیسا شخص ہے۔

وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اور اس کی فراغت کا انتظار کرنے لگی۔

جب وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش پھیر رہا تھا۔

"ورشہ کا فون آیا تھا۔" اس نے ذرا توقف سے کہا۔

جہاں داد کے ہاتھ رکے پھر اپنا کام کرنے لگے۔

"آپ کو اور مجھے رات کو کھانے پہ انوائٹ کیا ہے۔ اس نے صبح ہی مجھے پیغام دے دیا تھا۔ لیکن آپ کی مصروفیت اتنی تھی کہ مجھے پیغام۔"

"تم جانا چاہتی ہو؟۔" جہاں داد نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں۔ مگر کیا آپ نہیں چلیں گے؟۔" وہ تیزی سے بولی۔

"نہیں۔" وہ بھی اسی تیزی سے بولا۔

ذوباریہ چند ثانیے کھڑی رہی۔ "کیوں؟۔"

"میں تمہیں جواب دینے کا مجاز نہیں ہوں۔"
(مائی گاڈ۔ اس شخص نے ابھی نماز پڑھی ہے لیکن فرعونیت جوں کی توں قائم ہے۔)
"ڈرائیور کو فون کر دینا تمہارا ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔"

"اگر میں آپ کے ساتھ چلنا چاہوں تو؟"

"میرا اور تمہارا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔" وہ یہ بات پھینک کر سکون سے بستر میں گھس گیا۔ ذوباریہ سلگ کر رہ گئی۔

"تو پھر کس قسم کا رشتہ ہے ہمارا؟"

ادھر سے کوئی جواب نہیں ملا۔

جہاں داد نے کمبل سر تک تان لیا۔ ذوباریہ کو اپنی بے وقعتی پر رونا آ گیا۔ لیکن چونکہ اس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ وہ روئے گی نہیں کم از کم اس کے سامنے تو بالکل نہیں۔ اس لیے وہ بنا بولے ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔

اور پھر اس نے ورشہ کے ہاں اکیلے ہی جانے کا ارادہ کر لیا۔

وہ یہاں سے اس قدر مایوس ہو کر جا رہی تھی کہ دوبارہ آنے کی اس میں رتی بھر بھی خواہش نہیں تھی۔ وہاں جا کر سب لوگوں کو مطمئن کرنا اس کے لیے پل صراط سے کم نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی وہ چلی گئی۔

ورشہ کے گھر والے ان دونوں کے انتظار میں تھے۔ لیکن اسے اکیلا دیکھ کر تقریباً سب ہی کو مایوسی اور حیرانی ہوئی۔ اور اسے جھوٹ موٹ جواز گھڑنا پڑا کہ وہ اچانک کام کے سلسلے میں شہر سے باہر چلے گئے ہیں اس لیے مجھے اکیلے آنا پڑا۔

ورشہ سمجھ گئی تھی کہ یہ جھوٹ ہے۔ لیکن باقی سب مطمئن ہو گئے۔

رات کھانے کے بعد اس نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ایک رات اور پورا دن بالکل پر لگا کر اڑ گیا۔

اگلے روز شام کو ہی پاپا کا فون آ گیا۔ وہ بے حد پریشان تھے۔ ان کا فون سن کر اس کے خود ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

انہوں نے بتایا کہ جہاں داد کی طبیعت بہت خراب ہے۔

"صفدر کا فون شام کو ہی آیا تھا میرے پاس۔ تب سے اب تک میں یہیں ہوں۔" انہوں نے بتایا۔

"مگر انہیں ہوا کیا ہے؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ فوڈ پوائزن ہے۔ یا اس نے کوئی زہریلی یا نشہ آور چیز کھائی ہے۔"

وہ فکرمندی سے بتا رہے تھے۔

ذوباریہ کے سر پہ دھماکا ہوا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے باپ پہ یہ راز کھلے

"نہیں پاپا! بھلا وہ کیا کھا سکتے ہیں۔ شاید فوڈ پوائزن ہوا ہے۔ کل تک تو ٹھیک ہی تھے۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ بہرحال تم فکر نہیں کرنا۔ ڈرائیور کے ساتھ ابھی گھر آ جاؤ۔"

"میں آ رہی ہوں پاپا!"

اور جب وہ گھر آئی تو دو کمبل اس کے جسم پہ ڈالے ہوئے تھے اور وہ مدہوش پڑا تھا۔

ایک ہاتھ میں ڈرپ کی سوئی لگی ہوئی تھی۔ دوسرے ہاتھ کی نبض ڈاکٹر چیک کر رہا تھا۔ پاپا اس کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ صفدر ہراساں و پریشان کھڑا تھا۔

اس نے بوکھلا کر پاپا کی طرف دیکھا۔ فائق احمد نے اسے پیار کر کے اپنے پاس بٹھا لیا۔

چند ثانیے وہ باپ سے چمٹی خوفزدہ سی یونہی بیٹھی رہی۔ جیسے اس کی سب سے قیمتی، سب سے پسندیدہ چیز کو خود اسی سے نقصان پہنچ گیا ہو۔

"اچھا فائق صاحب! مجھے اجازت دیجئے۔ یہ ڈرپ ایک گھنٹے تک مکمل ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی ٹمپریچر بھی اب آہستہ آہستہ نیچے آ رہا ہے۔ ڈرپ کے بعد آپ انہیں ہر چار چار گھنٹے کے بعد دوا دیتے رہیے گا۔"

ذوباریہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

اس نے پیشانی کو ہاتھ لگایا۔ وہ انگاروں کی طرح دہک رہا تھا۔

"اور اگر بخار زیادہ تیز ہونے لگے تو آپ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتے رہیے گا۔ گھبرانے کی کوئی بات

"نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے مڑ کر کہا۔

فائق احمد ساتھ ساتھ اسے باہر تک چھوڑنے چلے گئے۔ ان کے ساتھ صفدر بھی باہر چلا گیا۔

دوباریہ نے بے قراری سے اسے پکارا۔

اتنا تندرست توانا وہ کس طرح بے جان سا پڑا تھا۔ بشاش چہرے پہ زردی سی کھنڈ رہی تھی۔ اسے رونا آ گیا۔

اف یہ ظالم محبت اس وقت وہ اس سے لڑ رہی تھی۔ اور آج۔ آج اس کے لیے تڑپ رہی تھی۔

کل اسے اس سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

اپنے انتخاب پہ خود ہی سر جھک رہا تھا۔

"اور آج۔ آج یوں لگ رہا تھا جیسے وہی زندگی۔" "وہی متاع حیات ہے۔"

اس کی بے قراری ایک ایک عمل سے عیاں ہو رہی تھی۔

فائق احمد ڈاکٹر کو رخصت کر کے کمرے میں واپس آ گئے۔ اسے تسلی تشفی دیتے رہے۔

انہیں خیال آیا تو اس کی خوراک کے بارے میں پوچھا۔ آخر اس نے کیا کھایا تھا۔ جو اچانک اتنی حالت خراب ہوئی۔ دوباریہ کو جھوٹ بولنا پڑا۔

"کل ہم نے ہوٹل میں لنچ کیا تھا۔ شاید وہیں کوئی چیز خراب ہوگی۔" وہ مطمئن ہو گئے۔

اور پھر بہت دیر تک بیٹی کے پاس بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ اس کی ڈرپ خود اتاری۔ اس کی دوا کی ایک خوراک اپنے ہاتھوں سے پلائی اور جب کسی حد تک اطمینان ہو گیا تو پھر گھر گئے۔

لیکن وہ اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھی رہی۔ کبھی اس کا سر سہلاتی۔ کبھی اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر گرم کرتی۔ بخار کی تیزی کی وجہ سے جہاں داد کے جسم میں عجیب طرح کی توڑ پھوڑ تھی۔ جب اس کا ٹمپریچر حد سے زیادہ تیز ہوا تو اس نے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنا شروع کر دیں۔ مگر اس کی حالت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی ہی چلی جا رہی تھی۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب جہاں داد کی حالت بگڑنے لگی۔ کاش وہ صفدر کو آج نہیں روک لیتی۔ وہ اپنا سر کبھی تکیہ پر ادھر پٹختا اور کبھی ادھر۔

بخار کی شدت کی وجہ سے بے قراری ایسی تھی کہ اسے ایک پل چین نہیں آ رہا تھا۔ ادھر دوا کا وقت ہو چلا تھا۔

وہ اس کی بے چینی کی وجہ سے پریشان تھی۔ کہ اسے کس طرح دوا پلائے۔ آیا اس کا سر سہلاتی رہے۔ اس کی پیشانی پہ پٹیاں بدل بدل کر رکھتی رہے۔ یا اس کے کھلانے پلانے کے بارے میں سوچے۔ ایک لمحہ بھی وہ اپنی پیشانی پہ سے اس کا ہاتھ ہٹنے نہیں دیتا تھا۔ بدقت تمام اس نے اسے دوا پلائی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا سر دباتی رہی۔ جب اسے کسی پل چین نہ آیا تو بے چین ہو کر اس نے دوباریہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کبھی اس کے نرم گداز ٹھنڈے ہاتھ کو اپنی آنکھوں پہ رکھتا۔ کبھی پیشانی پہ۔ کبھی سینے پہ۔ اور پھر اسے اپنے ہونٹوں پہ رکھ لیا۔ دوباریہ کو لگا جیسے اس کی زخمی ہتھیلی پہ دو مہربان ہونٹوں نے مرہم رکھ دیا ہو۔ وہ ساکت و صامت بیٹھی رہی۔

کیا قیامت تھی۔ اس کا سر اس کی گود میں تھا۔ لیکن وہ اپنی مسیحائی کے لمس سے بالکل ناواقف تھا۔ جب اس نے زخم دیا تھا تب بھی وہ بے ہوش تھا۔ اور اب مرہم رکھ رہا تھا تب بھی بے ہوش تھا۔ روح کی جلن آنکھوں میں تیر گئی۔ اور دو موتی پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے سینے میں جذب ہو گئے۔

اس نے ایک پل بھی نیند سے آنکھ نہ ملائی۔ دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔

تب اس نے بڑی احتیاط سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا۔ پھر اسی احتیاط و محبت سے اس کا سر تکیے پہ رکھ دیا۔ اور اس پہ اچھی طرح کمبل پھیلا دیا۔ اس سارے عمل میں وہ بے خبر ہی تو تھا۔

دوباریہ کا دل شدت سے چاہا۔ کاش وہ اس کی محبت کو محسوس کر سکتا۔ وہ اس کے بستر سے اتر کر نیچے اس کے قریب بیٹھ گئی۔ پھر حسرت سے تھوڑی اس کے بستر پہ ٹکا لی۔

"پلیز سر! اٹھ جائیے۔ آپ یوں سوتے ہوئے

اچھے نہیں لگتے۔ آپ تو بس لڑتے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔ نفرت کرتے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔ قہر برساتے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔ پلیز سر! پلیز۔" وہ اس کی لمبی پلکوں کو تکتے تکتے نجانے کب نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

جہاں داد کو پیاس کا احساس ہوا تو اس نے آنکھیں کھول کر دائیں بائیں دیکھا۔ اور پھر جیسے ٹھٹھک گیا۔ وہ اس کے قریب ہی بستر پہ اپنا سر رکھے بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی۔ اس نے سوچا اسے جگا کر پانی مانگے۔ لیکن نہیں اس نے خود ہی آہستگی سے گردن موڑ کر ٹیبل کی طرف دیکھا۔

قریب ہی گلاس میں پانی رکھا تھا وہ ذرا سا کھسک کر نیم دراز ہوا پھر ہاتھ بڑھا کر پانی کا گلاس اٹھا لیا۔ اور ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گیا۔ لیکن اندر کی آگ تھی کہ بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس نے نڈھال سے انداز میں گلاس میز پہ رکھ دیا۔ فضا میں ارتعاش پیدا ہوا ذوباریہ چونک کر اٹھ گئی۔ وہ بستر میں دائیں کھسک رہا تھا۔

ذوباریہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

پھر اپنی ہتھیلی اس کی پیشانی پہ رکھ کر بخار چیک کرنے لگی۔ حالانکہ وہ جاگ رہا تھا۔ لیکن آنکھیں بند کیے پڑا رہا اور اسے اپنے جاگنے کا احساس ہونے نہیں دیا۔ ذوباریہ کو اس بات کا گہرا دکھ ہوا لیکن پھر بھی وہ مطمئن سے انداز میں کمرے سے باہر نکل گئی۔ اگلے ہی پل فائق احمد ڈاکٹر کے ہمراہ چلے آئے اس نے ناشتا بنا کر صفدر کے ہاتھ اندر بھیج دیا۔

پاپا اور ڈاکٹر کے شدید اصرار پہ اس نے معمولی ناشتا لیا تھا۔ لیکن ناشتا ویسے کا ویسا باہر آ گیا۔ اس کی کمزوری محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر نے ایک ڈرپ اس کے اور لگا دی۔

دن بھر آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ ورشہ کے گھر والے آ کر چلے گئے لیکن ورشہ شام تک اس کے پاس رہی۔ اور پھر وہ بھی چلی گئی۔ شام کو پاپا پھر اس سے ملنے کے لیے آئے اب اس کی طبیعت کافی بہتر ہو چکی تھی۔

پاپا نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ سگریٹ ہرگز نہیں پیئے گا۔ اور ذوباریہ کو تلقین کی تھی کہ اس کی خوراک کا خاص خیال رکھے۔

پاپا کے چلے جانے کے بعد جب وہ اس کے پاس آئی۔ تو دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے وہ بستر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اور مسلسل چھت گھور رہا تھا۔ ذوباریہ کو اسے دیکھ کر پریشانی ہوئی تو یہ کہ اس کے ہونٹوں میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ اور ہاتھ بڑھا کر سگریٹ اس کے منہ سے نکال کر دور پھینک دیا۔

جہاں داد نے اس کی طرف ناگواری سے دیکھا۔ اس کی اتنی جرأت۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"بدتمیزی نہیں۔ نقصان دہ ہے۔" وہ سکون سے نزدیک ہی پڑی سگریٹ کی ڈبیہ اور لائٹر اٹھانے لگی، جہاں داد نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ اور سگریٹ اس کے ہاتھ سے چھین لیے۔

"یہ آپ کی صحت کے لیے مضر ہے۔" وہ رسان سے بولی۔

"میں اپنے معاملات میں تمہاری اتنی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"پلیز۔" ذوباریہ کا دل پارہ پارہ ہو گیا، پھر وہ اپنے آنسو اندر ہی اندر پیتے ہوئے بولی۔ "کیوں کرتے ہیں آپ ایسا؟" ادھر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ کچھ دیر چپ رہی۔ "اچھا اب آپ کیا کھائیں گے؟" اس نے اپنا لہجہ بشاش کیا۔

"زہر!" الٹھ مار جواب ملا۔

"وہ تو آپ نے جتنا پینا تھا پی لیا۔ اب مزید نہیں۔"

"آئی سے گیٹ لاسٹ۔" وہ اکتا کر بولا۔

اور دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔

دوسرے ہی پل ذوباریہ نے ہمت کر کے اس کے ہاتھ سے سگریٹ جھپٹ لیا۔

جہاں داد کو بری طرح طیش آیا۔ وہ اس کی طرف غضب ناک حالت میں دیکھنے لگا۔ وہ باقاعدہ مسکرا رہی تھی۔

"سمجھ لینا۔ اب تم اسے خود اپنے ہاتھوں سے مجھے پلاؤ گی۔ اور بے انتہا مجبور ہو کر۔"

"ہاں پلاؤں گی۔ جو کہیں گے وہ آپ کو پلاؤں گی مگر نشہ نہیں۔ آپ کو سوپ پلاؤں گی، جوس پلاؤں گی حتیٰ کہ اپنا لہو بھی پلاؤں گی مگر یہ زہر نہیں پینے دوں گی آپ کو۔ نہیں پینے دوں گی۔" اس نے تلخی سے آنسو رگڑے۔ جہاں داد کے ہونٹوں پہ تلخ سا تبسم پھیل گیا۔

"جذباتی اداکاری خوب کر لیتی ہو تم۔ کاش میں داد دے سکتا۔" ذوباریہ کے تلوؤں سے لگی اور سر پہ آ کر بجھی۔ ذلت کے احساس سے چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"محبت کرنا میرا قصور ٹھہرا۔ صرف محبت۔" اس نے سگریٹ اور لائٹر اس کے بستر پہ پھینک دیا۔ (رات بھر کی کارگزاری کا اس نے یہ صلہ دیا تھا)

"مجھے آپ سے کبھی بھی صلے کی توقع نہیں۔ اور نہ ہی میں اپنی محبت کے عوض آپ سے کچھ لینا چاہتی ہوں۔" جہاں داد عجیب طریقے سے مسکرا دیا۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔ ان باتوں سے مجھے فتح کر لو گی؟"

ذوباریہ بلبلا اٹھی۔ "یہ سگریٹ یہاں سے اٹھاؤ اور اسے سلگا کر میرے منہ میں دو اسی جرأت سے جس جرأت سے تم نے اسے نکال کر پھینکا تھا۔" ذوباریہ اس کی ہٹ دھرمی پہ کانپ گئی۔

"تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے تم سے؟" وہ اس کی کلائی موڑ کر سختی سے بولا۔

"اگر میں نہ دوں تو؟" وہ اس سے زیادہ ہٹ دھرمی پہ اتر آئی۔

"سوچ لو۔ یہ تو صرف سگریٹ ہے۔ کہیں کچھ اور پلانا نہ پڑ جائے تمہیں۔"

ذوباریہ نے کرب سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو پھیل گئے۔

وہ چپ چاپ کھڑی رہی۔

"تم نے سنا نہیں۔" وہ سخت چڑ کر بولا۔ ذوباریہ نے جھک کر بستر پہ سے لائٹر اور سگریٹ اٹھائے اور اس کی طرف بڑھا دیے۔

"اس طرح نہیں۔ سلگا کر میرے منہ میں دو۔" ذوباریہ یونہی کھڑی رہی۔ وہ سخت جھنجھلا گیا۔

"تمہیں ایک بات ایک ہی بار میں سمجھ میں نہیں آتی۔" اس نے جھٹکا دے کر اپنی طرف گرا لیا۔ ذوباریہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس پہ آ گری۔ جہاں داد نے اس کے جبڑے پکڑ کر سختی سے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ ذوباریہ تکلیف کے احساس سے تڑپ اٹھی۔

سگریٹ نکال کر اس کے منہ میں دے دیا۔ جہاں داد نے اس کا چہرہ اپنی آہنی انگلیوں سے جھٹک دیا۔

"لائٹر جلاؤ۔" وہ چپ رہی۔

"لائٹر جلاؤ۔" وہ تقریباً چلایا۔

ذوباریہ نے کسی روبوٹ کی طرح لائٹر جلایا۔ پھر اس کی آنچ کی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے وہ اسے اپنی عمر بھر کی پونجی میں آگ لگانے کا کہہ رہا ہو۔

اگلے ہی پل اس نے اس لائٹر کو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔ جہاں داد ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔

"یو نان سینس گرل۔"

اس نے بے ساختہ اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اور دوسرے ہی پل اس کی مٹھی سے جلتا ہوا لائٹر نکال لیا۔ ذوباریہ کی ساری ہتھیلی جل گئی تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" وہ پریشان بھی ہوا اور مشتعل بھی۔

جلن کے احساس سے ذوباریہ تڑپ اٹھی۔ اور اگلے ہی پل اس کے حصار سے نکل کر باہر بھاگ گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"بی بی جی! صاحب نے یہ برنال بھیجا ہے۔ کہا ہے اسے زخم پہ لگا لیں۔"

ذوباریہ نے گھٹنوں پہ سے سر اٹھایا۔ متورم آنکھیں اور ستا ہوا چہرہ دیکھ کر صفدر حیران رہ گیا۔

"لگتا ہے بی بی جی۔ آپ کو زخم زیادہ آیا ہے۔ لایئے میں آپ کے زخم پہ مرہم لگا دوں۔" وہ اپنائیت سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ (تمہارے صاحب نے اتنے زخم دیئے ہیں صفدر۔۔۔ کس کس۔۔۔

زخم پہ مرہم لگا دو گے)

جلے ہوئے ہاتھ میں اتنی تکلیف تھی کہ اس نے ہتھیلی اس کے سامنے کھول دی۔

"بہت جل گیا ہے بی بی جی! کیا کر رہی تھیں آپ۔ حالانکہ کچن میں کام تو کوئی نہیں تھا۔" وہ ہتھیلی پہ ٹیوب لگانے لگا۔

(تمہیں کیا بتاؤں۔ صفدر۔ تمہارے صاحب سے محبت کر رہی تھی' شاید وہ شخص مٹی سے نہیں آگ سے بنا ہوا ہے۔ دہکتی ہوئی آگ ہے۔ میری محبت کی پھوار بھی اسے ٹھنڈا نہیں کر سکتی۔ اس سے دور رہتی ہوں تو جھلسا تا رہتا ہے۔ قریب جاتی ہوں تو بھسم کر دیتا ہے۔ اس کی نفرت میں اتنی طاقت ہے۔ میری محبت میں کیوں نہیں؟)

"آرام سے لیٹ جائیے بی بی جی! اب آپ کو یقیناً سکون آ جائے گا۔"

(ہونہہ۔ میری زندگی میں سکون کہاں) زوباریہ سرد آہ کھینچ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆

اگلے روز شام کو فائق احمد آفس ٹائم کے بعد ادھر ہی چلے آئے۔

"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟۔" انہوں نے اسے لیٹا دیکھ کر پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔ بس ایسے ہی ستا رہا تھا۔ آیئے بیٹھئے۔" وہ انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھا اور بشاش لہجے میں بولا۔

"زوباریہ بہت پریشان رہی ہے تمہاری بیماری کے دوران۔ ذرا سی شکل نکل آئی ہے اس کی۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

جہاں داد نے کن انکھیوں سے سسر کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"آپ زوباریہ سے مل لیے؟۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔

"ہاں بھئی۔ میں ابھی اسے یہی سمجھا رہا تھا' رونے یا فکر مند ہونے کی تو کوئی بات نہیں۔ معمولی بخار ہی تو ہے۔ مگر بس۔" وہ گہرا سانس لے کر رہ گئے۔

"بے حد حساس لڑکی ہے۔ میں بیمار ہو جاتا تھا تو بری طرح پریشان ہو جاتی تھی۔"

جواباً وہ ہلکا سا مسکرا دیے۔

"کسی کو تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھ سکتی اتنا ساول ہے اس کا۔ لیکن۔ اس کے باوجود خود بڑی سے بڑی تکلیف سہہ جانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ اس نے کم ہی اپنی پریشانیوں میں مجھے پریشان کیا ہے۔" ان کے چہرے پہ تفاخر جھلکنے لگا۔

"حالانکہ اکلوتا بچہ زیادہ پریشان کرتا ہے۔ مگر زوباریہ نے مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ اکیلی ہے۔ اور میں اسے زیادہ توجہ اور زیادہ وقت دوں۔"

جہاں داد اس کی ذات کے بارے میں انکشاف بڑے انہماک سے سن رہا تھا۔

اگلے ہی پل فائق احمد مسکرا دیے۔

"تو میں بھی کیا باتیں لے بیٹھا۔ میں یہ کہنے آیا تھا بیٹے! اپنی بیماری کی اطلاع اپنے گھر دے دیتے۔ وہ لوگ بھی آ جاتے یا اطلاع دے دی ہے؟۔"

"نہیں اطلاع تو نہیں دی۔"

فائق احمد نے استفہامیہ نگاہ اس پہ ڈالی۔

"شادی میں بھی وہ لوگ سرسری سے انداز میں شامل ہوئے تھے' نہیں کوئی۔؟۔" ان کا اندیشہ خود ان کی زبان پہ آ گیا۔ جہاں داد کا دل چاہا کہے ہاں۔ ایسا ہی کچھ ہے۔ جان بوجھ کر انجان تو نہ بنیے۔ لیکن اس نے صبر و ضبط سے کام لیا۔ اور مسکرا کر بولا۔

"میں نے ان لوگوں کو اس لیے پریشان نہیں کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ ہم لوگ خود وہاں جائیں۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی اور وہ لوگ بھی خوش ہوں گے۔ پھر کب تک ارادہ ہے جانے کا۔"

"دیکھئے کل صبح یا کل شام تک۔"

"ٹھیک ہے' پھر تم لوگ جانے کی تیاری کرو۔ میں بھی چلتا ہوں۔"

"آپ کچھ دیر تو بیٹھئے۔"

"نہیں۔ بس چلوں گا۔ ویسے بھی دن بھر کا تھکا ہوا

ہوں۔ بس تم جلد از جلد ٹھیک ہو جاؤ۔ آفس کے کام بھی ادھورے پڑے ہیں۔"

انہوں نے اس کے شانے پہ اپنائیت سے دباؤ ڈالا۔ پھر مصافحہ کر کے کمرے سے باہر نکل گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد جہاں داد بہت دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ کل شام سے اب تک وہ اس کے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ کجانے اس کا زخم کیسا تھا، وہ ساتھ چل بھی سکتی تھی یا نہیں۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ اور صفدر ڈرائنگ روم میں ٹی وی پہ کوئی پروگرام دیکھ رہے تھے۔ ذوباریہ بڑے اطمینان سے کمبل میں لپٹی سنگل صوفے پہ نیم دراز تھی۔ صفدر اپنی گرم چادر میں لپٹا ہوا کارپٹ پہ بیٹھا تھا۔ اور بڑے انہماک سے اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ ڈرائنگ روم کے وسط میں پہنچ گیا۔ اور ہمیشہ کی طرح ٹی وی کے رسیا صفدر کی محویت میں کوئی جنبش۔ ذوباریہ نے اس پہ ایک نگاہ ڈال کر دوبارہ اسکرین پہ نگاہ جمالی تھی۔

وہ کچھ متذبذب سا کھڑا رہا۔ پھر صفدر کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

"ذوباریہ۔ آپ ذرا کمرے میں آئیں۔"

ذوباریہ اس کے انداز پہ بڑی حیران ہوئی۔

دوسرے ہی پل وہ پلٹ گیا۔ ذوباریہ کچھ سوچتے ہوئے کمبل سے آزاد ہوئی۔ پھر اس کے پیچھے پیچھے آ گئی۔ وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ وہ دروازے میں رک گئی۔

"آؤ، بیٹھو۔" ذوباریہ نے متجسس و پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر بیٹھ گئی۔

"اب تمہارا زخم کیسا ہے؟۔"

ذوباریہ کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے بے پناہ خوش فہمی سے سر اٹھایا۔ لیکن وہ اتنی خوش قسمت کہاں تھی۔ اس کے سرد سپاٹ تاثرات پہ اس کی تمام تر احساسات لمحوں میں منجمد ہو گئے۔ نہ جانے اس کے کیا عزائم تھے۔

"کون سا زخم؟۔" وہ فرش کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ جہاں داد نے بے انتہا چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نظریں چرا کر بولا۔

"ہم لوگ صبح یہاں سے گاؤں جا رہے ہیں۔ تم اپنی تیاری کر لینا۔ میرا مطلب ہے دو چار سوٹ لے لینا۔"

پھر اس نے اس کے سراپے پہ ناقدانہ سی نگاہ ڈالی۔ ہمیشہ کی طرح وہ پینٹ شرٹ میں ملبوس بڑی سی جیکٹ چڑھائے الٹرا ماڈرن لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔

"تمہارے پاس قمیض شلوار کا لباس نہیں ہے کیا؟" ذوباریہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اس طرح کے لباس شہر میں تو پسندیدگی کی سند پا سکتے ہیں۔ لیکن گاؤں میں یہ لباس بے حیائی کا درجہ رکھتا ہے۔ ویسے بھی تم پنجابی فلمیں دیکھتی ہو۔ تھوڑی بہت کلچر کی پہچان تو ہو گی تمہیں۔"

ذوباریہ اس کے کاٹ دار لہجے پہ دل ہی دل میں غصے کے گھونٹ پیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ بات تو اسے صبح ہی پتا چلی تھی کہ صفدر بھی ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ چلو یہ بھی خوب ہوا، راستہ اچھا کٹ جائے گا۔ صفدر کا باتونی پن اسے اول روز سے ہی اچھا لگا تھا۔

ڈگی میں سامان ڈال کر وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ صفدر پیچھے بیٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس سے پہلے پیچھے بیٹھ گئی۔

"بی بی جی! آپ آگے آ جائیں ناں۔" وہ آگے بیٹھتے ہوئے جھجکا۔ جہاں داد ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"نہیں پلیز، مجھے نیند آ رہی ہے، میں لیٹنا چاہوں گی۔" اس کے ساتھ ہی اس نے گاڑی کا دروازہ بند کر لیا۔

صفدر آگے بیٹھ گیا۔ جہاں داد نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

چونکہ اسے صبح جلدی اٹھنے کی عادت نہیں تھی اس لیے وہ جلد ہی سو گئی۔

جہاں داد اور صفدر کا تمام سفر باتوں میں گزر گیا۔

"بی بی جی۔ اٹھ جائیے۔ گاؤں آ گیا ہے۔"

"لاحول ولا۔" صفدر کی پاٹ دار آواز پہ وہ چونک کر

اٹھ بیٹھی۔

جس وقت وہ گھر سے نکلے تھے۔ صبح طلوع ہو رہی تھی۔ لیکن اب آفتاب پوری طرح سے پھیل چکا تھا۔ گاؤں کا وہی روایتی ماحول، کچی پکی گلیاں۔ اونچے نیچے مکان۔ ننگ دھڑنگ بچے۔ اس نے وقت دیکھا۔ دن کے دو بج رہے تھے۔ جہاں داد نے گاڑی احتیاط سے ایک طرف کھڑی کر دی۔ صفدر نے دروازہ کھولا۔ وہ باہر نکل آئی۔

نیند سے بیدار ہوتے ہی تیز چمک دار دھوپ اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی۔

اس نے پرس کھول کر فوراً" ہی سن گلاسز چڑھا لیے۔

پھر جہاں داد کی رہنمائی میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ سر پہ سامان لادے صفدر بھی چل رہا تھا۔

اماں جی اچانک اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اور پھر جب دیکھا کہ بہو بھی ساتھ آئی ہے۔ تو ان کی خوشی میں عجیب جوش و خروش بھی شامل ہو گیا۔

"زہرہ! زہرہ! دیکھ تو کون آیا ہے۔"

انہوں نے شور مچا دیا۔ وہ اپنی ماں سے ملا۔ ذوباریہ چپ چاپ کھڑی رہی۔

"تو دور کیوں کھڑی ہے بہو رانی۔" اماں جی نے دوسری طرف سے بہو کو لپٹا لیا۔ اور دعاؤں سے نوازنے لگیں۔

"اماں جی۔ میں بھی ہوں۔" صفدر نے ہاتھ اٹھا کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔

"دیکھ رہی ہوں۔ دیکھ رہی ہوں۔ بہو رانی آئی ہے پہلی بار میرے گھر۔ اسے تو دیکھ لوں۔" اماں جی اس کی بے تابی پہ ہنس پڑیں۔ پھر اسے پیار کرنے لگیں۔

زہرہ شور سن کر کمرے سے نکل آئی۔

"السلام بھرجائی!" جہاں داد نے زہرہ کو دیکھ کر احترام سے سلام کیا۔

زہرہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی پل فخر و انبساط سے اس کا سر بلند ہو گیا۔ جیسے وہ آج سرخرو ہوئی ہو۔

"وعلیکم السلام۔ کیسا ہے تو؟"

"آپ لوگوں کی دعائیں ہیں۔"

"السلام علیکم۔" ذوباریہ نزدیک آگئی اس کا دل چاہا۔ وہ بھی اسے بھرجائی کہے لیکن وہ کہہ نہ سکی۔ زہرہ نے پیار سے اسے اپنے قریب کر لیا۔

"بابا کہاں ہے؟" جہاں داد کو باپ کا خیال آیا۔

"وہ نماز ادا کرنے گئے ہیں۔ تم لوگ بیٹھو۔ لمبا سفر طے کر کے آئے ہو۔ تھوڑا آرام کر لو۔"

"نہیں اماں! بہت بھوک لگی ہے۔ بس جلدی سے کھانا نکال دیں۔" وہ منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے شرٹ کی آستینیں چڑھانے لگا۔

زہرہ اس کی بے چینی پہ مسکراتے ہوئے رسوئی کی طرف بڑھ گئی۔ صفدر بھی بھوک کی شدت سے نڈھال ہوا جا رہا تھا۔ وہ بھی منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔

ذوباریہ اماں جی کے پاس بیٹھ گئی۔

"دھیئے! تجھے بھی بھوک لگ رہی ہوگی۔ تو بھی منہ ہاتھ دھو لے۔ زہرہ کھانا گرم کر کے لاتی ہی ہوگی۔"

ذوباریہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"غسل خانہ کدھر ہے اماں جی؟"

"ادھر۔ سامنے ہے پتر۔" اماں جی نے اشارہ کر دیا۔

ذوباریہ اندر چلی گئی۔

کھانے کے بعد جہاں داد کو سخت نیند آنے لگی۔ اور سونے کی خواہش شدید تر ہو گئی۔

"جا پتر! جا کر سو جا۔ باتیں ہوتی رہیں گی۔ لگتا ہے تو کافی تھکا ہوا ہے۔"

اکبر ملک نے بیٹے کی تھکاوٹ کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ تو جہاں داد ان لوگوں کے درمیان میں سے اٹھ گیا۔

صفدر اتنا تھکا ہوا تھا کہ وہیں سو گیا۔

"دھیئے تو بھی جا کر اب آرام کر۔"

اکبر ملک نے بڑے پیار سے کہا۔

ذوباریہ کو ان لوگوں کی محفل دلچسپ لگ رہی تھی۔

"مجھے آپ لوگوں کے پاس بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔ اور ویسے بھی مجھے نیند نہیں آرہی۔" اس نے اپنائیت

سے کہا۔
ساس سسر اس کی ملنسار طبیعت پر وارفتہ ہو گئے۔
پھر بہت دیر تک محفل جمی رہی۔
کچھ دیر کے بعد اماں بھی لیٹ گئیں۔ اکبر ملک سے کوئی ملنے آ گیا تو وہ باہر چلے گئے۔
تب زہرہ اور ذوباریہ چائے کی طلب کی وجہ سے رسوئی میں آ گئیں۔
"مجھے حیرانی ہوئی، آپ اتنی اچھی چائے بنا لیتی ہیں۔"
"کیا مطلب؟" زہرہ آہستہ سے مسکرائی۔
"میرا خیال تھا کہ آپ لوگ بھی چائے نہیں پیتے ہوں گے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔ جہاں داد چائے پسند نہیں کرتا ناں اس لیے کیا وہ اب بھی چائے نہیں پیتا؟" ذوباریہ نے نفی میں گردن ہلا دی۔
زہرہ ہنس پڑی۔ "شروع سے اس کا یہی خیال ہے، چائے نہایت فضول چیز ہوتی ہے۔ تب ہی تو اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔"
"اور سگریٹ کے بارے میں ان کا خیال کیا ہے؟"
ذوباریہ کی سنجیدگی پہ زہرہ چونک گئی۔ پھر مسکرا کر پوچھنے لگی۔
"تمہیں سگریٹ کی خوشبو اچھی نہیں لگتی؟"
ذوباریہ نے نفی میں گردن ہلا دی۔
"تو پھر تم نے اسے روکا کیوں نہیں ابھی تک؟" زہرہ نے شرارت سے کہا۔ ذوباریہ نفی سے سر جھکا کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔
(روک کر دیکھا تھا۔ بہت بڑی سزا اٹھائی ہے۔ اب کبھی نہیں روکوں گی)
"ویسے یہ عادت اچھی نہیں ہے اس کی۔ تم چھڑوا دینا۔ بیویاں تو نجانے کیا کیا عیب چھڑا دیتی ہیں، یہ تو پھر معمولی نشہ ہے۔"
"ہاں جب بیوی کو بیوی سمجھا جائے جب ناں!"
ذوباریہ کی چائے یکایک زہر کی مانند ہو گئی لیکن وہ آہستہ آہستہ گھونٹ بھرتی رہی۔
زہرہ اس سے مسلسل باتیں کر رہی تھی۔
"تم بہت کم بولتی ہو، حالانکہ سنا ہے شہر کی لڑکیاں بہت تیز ہوتی ہیں۔"
زہرہ نے شرارت سے اسے چھیڑا تو وہ ہنس پڑی، معاً اس کی نگاہ جہاں داد پہ پڑی جو سامنے سے ادھر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ساری ہنسی ذوباریہ کے لبوں پہ آ گئی۔
"سنا تو یہ بھی ہے کہ گاؤں کے لوگ بہت پیار کرنے والے ہوتے ہیں۔"
وہ چلتا ہوا رسوئی کے نزدیک آ چکا تھا۔ اس کے لفظوں پہ جیسے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
نجانے وہ کیا باتیں کر رہی تھیں۔
"تو کیا دیور جی تمہیں پیار نہیں کرتے؟" زہرہ کی چونکہ اس کی طرف سے پیٹھ تھی، اپنی ترنگ میں بول گئی۔
اب کی بار ذوباریہ کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اسے شاید زہرہ سے اس بے تکلفی کی امید نہیں تھی۔ پھر سامنے ہی وہ جما کھڑا تھا۔ دوسرے ہی پل جہاں داد وہاں سے کھسک گیا۔
ذوباریہ اس کی بات ہنسی میں ٹال کر برتن سمیٹنے لگی۔
"نہیں رہنے دو۔ میں خود سمیٹ لوں گی۔" زہرہ نے اسے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آئی اور شام کا کھانا بنانے تک چھوٹے موٹے کاموں میں اس کی مدد کرتی رہی۔
"تمہیں کھانا بنانا آتا ہے؟" زہرہ نے اس کی دلچسپی بھانپتے ہوئے پوچھا۔
"گزارے لائق بنا لیتی ہوں۔" وہ کھسیا کر بولی۔
"مثلاً کیا کیا بنا لیتی ہو؟" زہرہ نے حیرت سے پوچھا۔
"تقریباً سب ہی کچھ"
"کیا روٹی بالکل گول بنا لیتی ہو؟" زہرہ نے حیرت سے پوچھا۔
"بالکل، کوکنگ میں سب سے پہلے میں نے روٹی بنانا ہی سیکھا تھا۔ پاپا کا خیال تھا اگر میں نے ڈشز میں پہلے

ٹھیک ہے لیکن میں روٹی ابھی اچھی نہیں پکا سکوں گی۔ چاچا کو گھر کی روٹی ہی پسند تھی۔ اس لیے انہوں نے مجھے سب سے پہلے یہی روٹی پکانا سکھایا تھا۔"

"حیرت کی بات ہے تمہیں سب کچھ کرنا آتا ہے۔" زہرہ نے خوشی کا اظہار کیا۔

زوباریہ کسی خیال کے تحت افسردہ ہو گئی۔

"ہاں شاید سب ہی کچھ کرنا آتا ہے سوائے دل جیتنے کے۔"

کچھ دیر وہ چپ چاپ بیٹھی رہی پھر کسی خیال کے تحت بولی۔

"ایک بات پوچھوں بھرجائی!" اس نے جھجکتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ زہرہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"جہاں داد کی بھرجائی ہوں تو پھر تیری بھی بھرجائی ہوئی، اس میں شرمانے والی کون سی بات ہے۔"

زوباریہ کو اس کے رویے سے کچھ تقویت ملی۔

"ہاں پوچھو کیا پوچھ رہی تھیں۔"

"آپ کے شوہر کیسی طبیعت کے مالک تھے؟"

"بہت اچھے، بہت فراخ دل، اور ٹوٹ کر محبت کرنے والے۔" زہرہ یکایک رنجیدہ ہو گئی۔

زوباریہ متاثر ہو جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کتنے برس کے بعد وہ آپ سے جدا ہوئے؟"

"ابھی تو سال بھی نہیں ہوا تھا۔"

"کیا نام تھا ان کا؟" زوباریہ کے سوال پر زہرہ چونک گئی۔

"کیا یہ باتیں تمہیں جہاں داد نے نہیں بتائیں؟"

زوباریہ شرمندہ ہو گئی اور بغلیں جھانکنے لگی کہ اسے کیسے مطمئن کرے۔

"سرسری سا بتایا تھا۔"

(اتنی محبت کرتا تھا وہ دلدار سے، اس کا ذکر تمہارے سامنے اتنا سرسری کیا کہ اس کا نام بھی نہیں بتایا۔)

زہرہ کو گہرا دھچکا لگا۔

"لگتا ہے بہت مصروف رہتے ہیں دیور جی۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔" زوباریہ نے ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

زہرہ اس کی کوشش کو بھانپتے ہوئے اپنی اور دلدار کی زندگی کے بارے میں بتانے لگی، تاکہ وہ بہت دیر تک شرمندہ ہوتی رہے۔

☆☆*

ویسے تو موسم سردیوں کا ہی تھا لیکن شہر کے موسم اور گاؤں کے موسم میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ حالانکہ سردی تو اسے پہلے بھی بہت لگتی تھی لیکن یہاں کی سردی تو آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔

جیسے جیسے شام ڈھلتی گئی، موسم کی ٹھنڈک میں اضافہ ہوتا گیا۔ پوری رات پھیل جانے کے بعد سردی کا حال ہی اور تھا۔ تیز چلتی ہوائیں اور کھلے آسمان سے برستا کہر اس نے دو سویٹر چڑھائے پھر بھی کپکپی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

بہت دیر تک زہرہ کے بستر میں گھسی رہی جب جہاں داد آ گیا تو زہرہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ گئی۔ اسے یہ روایت بہت اچھی لگی یعنی گھر کی عورتیں ہی نویلی دلہن کو شروع شروع میں اس کے کمرے میں خود چھوڑ کر جاتی ہیں۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

کمرہ اس کی توقع کے خلاف بہت بڑا تھا اور اس میں بے شمار کھڑکی دروازے تھے۔ کمرے میں تین عدد جہازی سائز پلنگ مع بستروں کے بچھے ہوئے تھے۔ ایک طرف لکڑی کی چار کرسیاں اور ایک درمیانے سائز کی میز رکھی تھی۔

کمرے کے ایک کونے میں تین چار چھوٹے بڑے صندوق اوپر تلے رکھے تھے۔ جس پہ نفاست سے کپڑے بچھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ایک عدد لکڑی کی سنگھار میز اور ایک لوہے کی الماری کھڑی تھی۔

کمرے کی چھت کافی اونچی تھی اور فرش سرخ اینٹوں کا جو کافی ٹھنڈک کا احساس دلا رہا تھا۔ وقت دیکھا ساڑھے دس بج رہے تھے۔ شہروں میں یہ وقت کتنی رونق والا ہوتا ہے لیکن یہاں ایسا لگ رہا تھا جیسے آدھی رات بیت گئی ہو۔

اس نے لحاف کھولا اور اپنے اوپر پھیلا لیا۔

مگر بستر میں گرمائش قطعی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے دوسرے بستر سے کمبل اٹھا کر اپنے اردگرد پھیلا لیا۔ لیکن پھر اگلے ہی پل اسے خیال آیا۔ تیسری کوئی چیز نہیں ہے جہاں داد کیا اوڑھے گا سو اس نے کمبل واپس اس کے پلنگ پہ رکھ دیا۔

بہت دیر تک بستر میں بے چینی محسوس ہوتی رہی۔

اسے جہاں داد کی عقل پہ دل ہی دل میں غصہ آ رہا تھا۔ کیا وہ بتا نہیں سکتا تھا یہاں اتنی پریشان کن سردی پڑتی ہے، وہ سوتی جوڑے لے کر چلتی۔

سوٹ کیس دوسرے کمرے میں تھا۔ گرم شال بھی نہیں لے سکتی تھی۔ "اف اللہ! کس قدر سردی ہے" اس نے آپس میں ہتھیلیاں مسلیں، جس وقت تک جہاں داد کمرے میں آیا، وہ سردی سے خاصی پریشان ہو چکی تھی۔

اسے دیکھ کر بولی "کیا یہاں گیس کے ہیٹر وغیرہ نہیں ہوتے؟"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہاں ابھی گیس نہیں پہنچی۔"

"تو پھر آتش دان جیسی تو کوئی چیز ہو گی؟"

"ہے مگر دوسرے کمرے میں۔"

"تو پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں، ہمیں بھی دوسرے کمرے میں چلنا چاہیے۔"

جہاں داد اس کی سفید ہوتی شکل دیکھ کر سمجھ گیا کہ اسے سردی لگ رہی ہو گی، مسکرا کر سر جھکا لیا اور جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے بولا۔

"دراصل آج کل وہ آتش دان برساتی نالے کے طور پہ کام آتا ہے۔ میرا مطلب ہے، بارشوں کے موسم میں چھتوں کا سارا پانی اسی کے ذریعے نکلتا ہے۔"

ذوباریہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ پھر اگلے ہی پل غصے میں آ کر بولی۔

"آپ نے اگر مجھے پہلے بتا دیا ہوتا کہ یہاں مری جیسی ٹھنڈ ہوتی ہے تو میں کاٹن اور شیفون کے سارے سوٹ بھر لاتی۔"

جہاں داد جوتے اتار کر بستر پہ لیٹ گیا۔

"میرا خیال ہے، اتنی سردی بھی نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے تم سردی زیادہ محسوس کرتی ہو۔"

"محسوس!" ذوباریہ چڑ گئی۔ "آپ کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

"بہت خوشگوار اور انجوائے کرنے کا موسم ہے۔"

وہ شوخ ہوا۔ ذوباریہ خاموشی سے بستر میں لیٹ گئی۔

وہ تکیے پہ کوئی دھن گنگنانے لگا۔

"اگر زیادہ سردی لگ رہی ہے تو میرے بستر میں آ جاؤ۔"

ذوباریہ بھک سے اڑ گئی۔

اگلے ہی پل اس نے اٹھ کر بتی بجھا دی۔ وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔

وہ اس کی مسکراہٹ پہ چڑ گئی۔

"آپ کے گھر والے تو بہت اچھے ہیں، نجانے آپ کس پہ چلے گئے۔"

وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"آپ کے گھر والوں پہ۔" بڑے سکون سے جواب ملا۔

ذوباریہ بستر میں لیٹ رہی تھی۔ تلملا کر اٹھی، لیکن وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھ چکا تھا۔

فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو وہ اس پہ کمبل ڈال رہا تھا۔

اس نے پوری آنکھیں کھول کر اس حقیقت کو محسوس کرنا چاہا تب وہ اس کے نزدیک اپنا تکیہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"میں نماز ادا کرنے جا رہا ہوں۔ نجانے تم کس وقت تک بستر میں پڑی رہو۔ اس لیے یہ سب کچھ ضروری ہے۔"

دوسرے ہی لمحے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے رویے پہ ذوباریہ بری طرح دل برداشتہ ہوئی۔

تو رات کی پیش کش اس دکھاوے کے تحت ہو رہی تھی، کتنا سنگدل شخص ہے یہ! اس کے دل میں خود کوئی احساس نہیں۔

کوئی جذبہ نہیں اس کی زندگی میں۔

اس کی آنکھیں کرچیوں سے بھر گئیں۔

کتنا سفاک اور بے رحم تھا وہ' فجر کے وقت بھی تکلیف پہنچانے سے باز نہیں آیا۔۔۔ کیا ایسے لوگوں کی نمازیں خدا کے ہاں قبول ہو جاتی ہیں۔

"لیکن بے نمازی سے تو بہتر ہے۔" اس کے اندر سے آواز آئی۔ اگلے ہی پل اس نے نماز کے ارادے سے خود بھی بستر چھوڑ دیا۔

☆ ☆ ☆

گاؤں کی بہت ساری عورتوں کے درمیان وہ سجی سنوری بیٹھی تھی بچے اور خواتین اسے بڑے شوق سے دیکھ رہی تھیں۔

"سبحان اللہ' اب یہ وقت بھی آنا تھا۔" وہ اپنی حالت پہ خود ہی رحم کھا رہی تھی۔

تب ہی زہرہ اور جہاں داد کی بہنیں اس کو تقریباً کھینچتے ہوئے' ہنستے مسکراتے اندر کمرے میں لے آئیں اور اسے زبردستی اس کے قریب بٹھا دیا۔

"یہ آپ مجھے خواتین میں کیوں لے آئی ہیں؟" اس نے نہ سمجھتے ہوئے الجھ کر پوچھا۔ زوباریہ کو خود کچھ نہیں پتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

اتنے میں اماں جی بھی چلی آئیں۔

"گھبرا نہیں پترا! تمہن کی رسم کرنی ہے۔"

اماں جی نے مٹھائی کی ٹوکری ان کے سامنے رکھ دی۔ تمام خواتین دلچسپی سے ان کے اردگرد گھیرا ڈال کر کھڑی ہو گئیں۔

"تیری شادی اتنی جلدی میں ہوئی کہ کوئی بھی رسم نہیں ہو سکی۔ لیکن یہ رسم تو ہم ضرور کریں گے۔" بہوؤں نے چہل کر کہا۔

"گویا سانپ نکل گیا' لاٹھی اب پیٹی جائے گی۔" اس نے ان کے ارمان ٹھنڈے کرنا چاہے۔

"پتر! یہ رسم تو شادی کے بعد ہی ادا کی جاتی ہے۔"

"مگر یہ رسم ہے کیا؟؟"

"گود بھرائی کہتے ہیں اس رسم کو۔ سات سہاگنیں بہو کی گود میں موسم کے سارے پھل ڈالیں گی۔ تاکہ خدا بہو کی گود جلد از جلد ہری کرے۔"

"مگر اس میں میرا کیا حصہ ہے؟" وہ پھر بھی نہیں سمجھا۔

"تمہیں اس کی گود میں سے پھل اٹھا اٹھا کر کھانے پڑیں گے۔"

"لاحول ولا' اگر آپ نے مجھے پھل ہی کھلانے ہیں تو ایسے ہی کھلا دیں۔ گود میں ڈالنے کی ضرورت کیا ہے۔"

"یہی تو رسم ہے اصل' اگر تو اپنی دلہن کی گود میں سے سارے پھل اٹھا کر کھا گیا تو تیری دلہن جواب میں تیرے سر پہ دوشالہ باندھے گی اور اگر تو سارے پھل نہ کھا سکا تو سزا کے طور پہ تجھے اپنی دلہن کے ہاتھوں میں چوڑیاں پہنانا پڑیں گی۔"

زلیخا نے وضاحت کی' اسے یہ رسم نہایت دلچسپ لگی۔

"مگر اس کے ساتھ ہی تجھے بہنوں کو نیگ بھی دینا پڑے گا۔" اماں نے اسے بروقت یاد دلایا۔

"ہاں' بہنوں کی دعا سے تیرے آنگن کی پھلواری میں سدا بہار رہے۔"

"بہت خوب تو پھر کریں رسم شروع۔" وہ جم کر بیٹھ گیا۔

رشتے کی بہنیں بھابیاں اس سے ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے زوباریہ کی گود پھلوں سے بھر گئی۔

"چلو اب تم کھانا شروع کرو۔" سب کی دلچسپی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ زوباریہ کو اس رسم سے بہت ہی جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

تب ہی وہ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی جہاں داد نے کچھ لمحے سوچا کہ وہ کیا کرے پھل اتنے تھے کہ وہ سارے کھا نہیں سکتا تھا۔ پھر اس نے زوباریہ کی طرف دیکھا۔

وہ اس وقت کسی دیہات کی پروردہ اور پرانے آزمودہ طریقوں سے تیار شدہ دلہن دکھائی دے رہی تھی۔ جہاں داد کو اس کے مضحکہ خیز حلیے پہ ہنسی آ گئی۔

ایک لمحے میں جہاں داد نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر ممکن طریقے سے سارے پھل کھا جائے گا اور اس سے ضرور دوشالا وصول کرے گا زوباریہ دل ہی دل میں

"ملتی تھی کہ وہ سارے پھل نہیں کھا سکتا۔ دیکھتے ہیں وہ چوڑیاں کس طرح پہناتا ہے۔"

جہاں داد نے پھل کھانا شروع کر دیے۔ خواتین نے خوب ہلڑبازی مچائی ہوئی تھی اور اس سے زیادہ اس نے بے ایمانی کا ثبوت دیا۔ آدھے آدھے پھل یہ کہہ کہہ کر چھوڑتا رہا۔

"فلاں چیز میں کیڑا ہے۔ فلاں گلا ہوا ہے۔ یہ ایسا ہے یہ ویسا ہے۔" اس چالاکی سے وہ سارے پھل کھانے میں کامیاب ہو گیا۔

"چلو بھئی دلہن! اب تم اٹھ کر شگن پورا کرو اور اپنے شوہر کے سر پہ دوشالا باندھو۔" ذوباریہ اس کے سامنے کھڑی ہونا نہیں چاہتی تھی۔ اسے اپنے حلیے پہ سخت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی ہتھیلیوں پہ پسینہ رسنے لگا۔

اماں جی نے اس کو سرخ دوشالا تھما دیا۔

مجبوراً ذوباریہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ خواتین کی دلچسپی مزید بڑھ گئی۔ جہاں داد کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ اسے اس وقت آئینہ دکھائے۔

ذوباریہ تقریباً رو دینے کو تھی۔ اس کی اس ہچکچاہٹ کو سب ہی نے شرم پر محمول کیا۔

"چلو اب کوشش کرو۔" تب ہی اس کی مدد کے لیے جہاں داد کی بھابی اور بہنیں آگے بڑھ آئیں۔

وہ اس کے دائیں طرف کھڑی ہو گئی اور دوشالا اس کے سر پہ لپیٹنے لگی۔ لیکن وہ کبھی دائیں طرف سر ہلا دیتا کبھی بائیں طرف کبھی جھک کر کسی سے بات کرنے لگتا۔ دوشالا بندھ کر نہیں دے رہا تھا۔

"کیا سارا دن وہ تمہیں باندھتی ہی رہے گی؟ خدا کے واسطے سر ایک طرف رکھو، تاکہ ہم جلد از جلد نیگ لے سکیں۔"

زلیخا نے پیچھے کھڑے ہو کر اس کا سر پکڑ لیا ذوباریہ نے پھرتی سے الٹا سیدھا دوشالہ اس کے سر پہ لپیٹ دیا۔

یوں کہ اس کی آنکھیں تک چھپ گئیں۔

خواتین تالیاں بجا کر داد دینے لگیں وہ اپنی جگہ پہ بیٹھ گئی۔

"چلو اب جلدی سے ایک دوسرے کا منہ میٹھا کراؤ۔"

"خدا کی قسم بالکل گنجائش نہیں ہے۔" جہاں داد نے احتجاج کیا۔

"نہیں نہیں بیٹا منہ تو میٹھا کرنا ہی پڑے گا۔"

اس کے ساتھ ہی زہرہ نے ذوباریہ کے ہاتھ میں گلاب جامن دی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گلاب جامن جہاں داد کے منہ میں دے دی۔

"چلو اب تمہاری باری ہے۔"

جہاں داد نے آنکھوں پہ سے دوشالا ہٹا دیا۔ "یہ بے ایمانی ہے مجھے کیا معلوم میرا منہ کس نے میٹھا کرایا ہے۔"

سب ہنسنے لگیں۔ "ہو نہیں تمہیں نہیں پتا کس نے کرایا ہے، ہم گواہ ہیں۔ ذوباریہ نے ہی تمہارے منہ میں گلاب جامن دی تھی۔" لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا اور بضد تھا کہ اس کا منہ دوبارہ میٹھا کرایا جائے۔ بہت دیر تک ہنگامہ آرائی ہوتی رہی۔

سب اس کی شوخیوں سے محظوظ ہو رہی تھیں۔ لیکن ذوباریہ کا دل اس کے دوغلے پن پہ متاسف تھا۔

"کاش اس کے یہ احساسات، یہ سب جملے، یہ سب شوخیاں سچ ہوتیں تو وہ بھی اس رسم سے لطف اندوز ہو سکتی۔ سب کچھ بناوٹی اور کھوکھلا تھا۔"

اپنی راندۂ درگاہ کیفیت پہ ذوباریہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور اس نے مزید سر جھکا لیا۔

"تم نے منہ میٹھا کرانا ہے یا مزا کے طور پہ تمہیں چوڑیاں سونپی جائیں۔" بہنوں نے اسے دھمکی دی۔

بالآخر اماں نے اس بحث کا اختتام کر دیا اور بیٹے کے ہاتھ میں لڈو دے کر بہو کے منہ کی طرف بڑھایا۔

ذوباریہ نے وہ لڈو منہ میں لینے کے بجائے ہاتھ میں لے لیا اسے معلوم تھا، وہ صرف قرض اتار رہا ہے۔ اس کی مہربانیوں پہ زیادہ دیر تک اسے مسرور نہیں ہونا چاہیے۔

* ☆ * ☆ *

ذوباریہ اماں جی کے ساتھ بی بی جی کے ہاں گئی تھی

بچپن سے گاؤں کی بچیاں قرآن پاک پڑھا کرتی تھیں۔ بابا بھی کچھ پتا نہیں تھے۔

موقع نہایت مناسب تھا۔ زہرہ وہ کچھ سوچ کر جہاں داد کے پاس چلی آئی۔

"جہاں داد! مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ کیا میں جو کچھ پوچھوں گی تم سچ بتاؤ گے؟"

"کیوں نہیں بھرجائی۔"

"یہی تو افسوس کی بات ہے، تم مجھے بھرجائی بھی کہتے ہو اور پرائے خیال ہو۔"

"بھرجائی!" جہاں داد چیخ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرے ہی پل اس نے زہرہ کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

"جس روز میں نے اپنے سر پہ سہرا باندھا تھا، اسی روز اس خیال کو اپنے دل سے نکال پھینکا تھا۔ یہ اور بات ہے، آپ کو مطمئن کرنے کے لیے اس بات کی گواہی میں کسی سے نہیں دلا سکتا کیونکہ یہ میرا دل، میرا ایمان ہی جانتا ہے۔"

"میری طرف سے پیٹھ موڑ کر نہیں میری طرف منہ کر کے بات کرو۔" زہرہ اس کی بات سے شاید مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ جہاں داد ایڑیوں کے بل گھوم گیا۔

"تمہارے اپنی بیوی کے ساتھ تعلقات کیسے ہیں؟" جہاں داد چونکا اور گہری فکر انگیز نگاہ اس پہ ڈال کر رہ گیا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟" وہ خاموش رہا۔

"کل گود بھرائی کی رسم میں جہاں سب خوش تھے حتیٰ کہ تم بھی خوشی کا اظہار بہت بڑھ چڑھ کر رہے تھے۔ اس کے باوجود تمہاری بیوی اداس تھی اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ سر جھکا کر رو رہی تھی۔ حالانکہ وہ وقت خوشی کا تھا، رونے کا نہیں۔"

"مجھے کیا معلوم، آپ اسی سے پوچھ لیتیں۔" جہاں داد نے دانستہ ٹال دیا۔

"لیکن تم بھی تو کچھ بتاؤ۔ میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں۔"

وہ پھر بھی چپ رہا۔

"کس قسم کی لاتعلقی اور اجنبیت ہے تم دونوں کے مابین۔ باوجود تمہاری زندگی میں شامل ہو جانے کے، تمہاری بیوی تمہاری ذات سے بے خبر اور لاتعلق کیوں ہے۔ کس قسم کا خلا ہے تم دونوں کے مابین؟"

ذوباریہ اسی وقت گھر میں داخل ہوئی تھی۔

"جب تم نے اپنی پسند کی شادی کی تھی تو پھر اتنی جلدی کس قسم کے اختلافات پیدا ہو گئے؟" زہرہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ تو اس کے قدم کمرے کے باہر ہی رک گئے۔

"پسند کی نہیں۔ زبردستی کی شادی کہیے۔" وہ تلخی سے بولا۔

"کس قسم کی زبردستی؟ کیا تم ذوباریہ کو پسند نہیں کرتے تھے؟" زہرہ کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"وہ تو اسے پتا ہو گا یا اس کے باپ کو پتا ہو گا جو یہاں آیا تھا۔ یہ بتانے کہ میں نے اس کی بیٹی کے ساتھ بڑی عیاشیاں کی ہیں۔" وہ غضب ناک لہجے میں بولا۔

"یہ نہیں کہا تھا اس نے، یہ کہا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے ہو۔"

"لیکن بابا نے تو یہی سمجھا تھا، جب ہی میرا اعتبار نہیں کیا اور سنی سنائی بات کو حرف آخر سمجھ بیٹھے اور زبردستی رشتہ طے کر دیا۔" ذوباریہ گنگ رہ گئی۔

"میری بھی کوئی عزت تھی۔ انا تھی، زبان گروی رکھ کر گیا تھا میں یہاں۔" ذوباریہ کے سر پہ دھماکہ ہوا۔

"بغیر کسی گناہ کے آپ لوگوں نے مجھے سزا کا مستحق قرار دے دیا۔" وہ جیسے آگ اگل رہا تھا۔

زہرہ نے دزدیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔

"اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ تیری جان اب بھی اس میں اٹکی ہوئی ہے۔"

یہ دھماکہ پہلے دھماکے سے زیادہ شدید تھا، ذوباریہ شل ہو کر رہ گئی۔

"بھرجائی!" جہاں داد احتجاجاً چیخ اٹھا۔

"مت کہہ مجھے بھرجائی۔ گود میں پالا ہے تجھے، تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔ جس روز تیری شادی ہوئی تھی۔ اسی روز مجھے تیرا مزاج بدلا لگا تھا۔

انسان زندگی کی نئی راہ میں قدم رکھے اور مسکراہٹ اس کے قریب بھی نہ آئے۔ کتنا عجیب لگتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب اور خوفزدہ کرنے والا لگا تھا مجھے تیرا رویہ۔ لیکن جب تو یہاں آیا اور تو نے مجھے ایک عرصے کے بعد بھرجائی کہہ کر پکارا۔ تو میرے سارے دکھ، سارے اندیشے ڈھل گئے اور میں بالکل ہلکی پھلکی ہو گئی۔ لیکن، لیکن میں اندھی نہیں ہوں۔ تیرا اپنی بیوی کے ساتھ رویہ محض اسی لیے اجنبیت لیے ہوئے نہیں ہے کہ اس کے باپ نے یہ رشتہ دھوکے سے زبردستی طے کیا بلکہ تیرے دل سے پرانی محبت ختم ہی نہیں ہوئی۔ وہ جنون، وہ دیوانگی تیری اب بھی قائم ہے ورنہ وہ لڑکی ایسی نہیں کہ تو اس سے نفرت کرے۔"

اور بس پھر دوبارہ ایک لمحہ بھی وہاں نہیں رکی۔ دوسرے ہی پل وہاں سے ہٹ گئی۔

جہاں داد نے تاسف سے زہرہ کی طرف دیکھا جو ناراض و مشتعل کھڑی تھی۔

"یہ بھی کہتی ہے کہ تو نے مجھے گود میں پالا ہے۔ پھر بھی اپنی گود کے وصف سے ناواقف ہے۔"

دکھ و تذلیل کے احساس سے جہاں داد کا چہرہ ہی نہیں آنکھیں بھی سرخ ہو گئی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آیا اور اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ زہرہ ٹھٹھک کر پیچھے ہٹنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ مقابل بیٹھ چکا تھا۔

"اعتبار محبت سے بھی بڑی چیز ہوتی ہے لیکن تو نے کبھی میرا اعتبار نہیں کیا۔ مجھے تجھ سے محبت تھی، ہے اور رہے گی لیکن یہ اور بات ہے کہ اس محبت نے درمیان میں کچھ اور گنجائش نکال لی تھی۔ تو نے اسے میرا پاگل پن سمجھا اور بابا نے مجھے گھر بدر کر دیا۔" وہ بولتے بولتے رکا پھر کہنے لگا۔

"جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ چیز ہو یا انسان تو ہم یہ چاہنے لگتے ہیں کہ اسے تمام خوشیاں دے دیں، وہ اپنے تمام تر جذبات سمیت مکمل ہو۔ وہ میری محبت کی انتہا تھی کہ میں تجھے تحفظ اور مکمل پن سے قریب تر کر دینا چاہتا تھا اور بس۔ میں نے اس سے آگے کچھ نہیں سوچا تھا مگر آج میں تیرے قدموں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں۔ جس وقت میری زندگی میں کوئی اور شامل ہوا، باوجود کسی شکست سے دوچار ہونے کے میں نے تیرا خیال نہ صرف اپنے دل سے نکال دیا۔ بلکہ تجھے تیرے حقیقی رشتے سے ایک بار پھر قبول کر لیا تھا۔"

اس کی باتوں سے زہرہ کے دل میں گہرا اطمینان اتر گیا اور اس نے شانت ہو کر اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ لیے۔ پھر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا اور اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولی۔

"مجھے تیرا اعتبار آ گیا۔ لیکن اب اس اعتبار کی کسی اور کو بھی ضرورت ہے۔ تو نے یہ بات کیوں نہیں سمجھی۔"

جہاں داد نے اپنے بازو سے نم آنکھوں کو صاف کیا۔

پھر اکھڑے اکھڑے سے لہجے میں بولا۔

"بعض لوگوں کو یہ زعم ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ چاہیں گے، حاصل کر لیں گے لیکن انسان چیز نہیں ہوتا۔"

"پاگل!" زہرہ آہستہ سے مسکرائی۔ "بس اتنی سی بات کو تو نے انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے حالانکہ وہ تو تجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ یہ تو محبت کی جنگ ہے اس میں فاتح یا مفتوح کوئی نہیں ہوتا۔ بس محبت کرنے والا دل ہوتا ہے۔ محبت کرنے والی آنکھیں ہوتی ہیں جو غافل دل کو چپ چاپ تسخیر کر لیتی ہیں۔ تیری ضد اس کے آگے کچھ نہیں چل سکے گی۔"

"شاید وہ مجھے تسخیر کر چکی ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

زہرہ کا منہ حیرانی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ پھر وہ مسکرا اٹھی۔

"تو پھر جھگڑا کس بات کا ہے؟"

"میرے اقرار میں اس کی فتح ہے اور اب میں اسے فاتح بننے نہیں دوں گا۔"

"کیا مطلب؟" زہرہ الجھ گئی۔

وہ ہنس پڑا پھر سامنے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ "بہت شوق ہے اسے چیلنج کرنے کا۔ اب ایک مرد سے واسطہ پڑا ہے۔ اسے جھکنے بھی۔"

"تمہاری بات میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔" زہرہ اسے خاموش دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"کچھ نہیں بھرجائی! تم فکر نہیں کرو‘ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔

* ☆ * ☆ *

زہرہ سارے گھر میں کام کاج کرتی پھر رہی تھی۔ اس کے کنگنوں میں ایسی جھنکار تھی‘ وہ صرف گلاس بھی اٹھاتی تو ان کی چھن چھن بج اٹھتی۔ ذوباریہ بہت دیر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس میں ایسی کون سی خوبی تھی‘ جو اسے برتری دی گئی۔" وہ بہت دیر تک اس سے اپنا موازنہ کرتی رہی پھر نہ جانے اس کے اندر کیسے احساسات بیدار ہونا شروع ہوئے کہ اس نے زہرہ پر سے نگاہیں ہٹالیں۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائے۔

"اماں جی! میں گھر جانا چاہتی ہوں۔" اس کی اچانک واپسی کے ارادے پہ سب ہی چونک گئے۔

"کیوں تمہیں ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" اماں جی نے پیار سے کہا۔

"بس میرا دل نہیں لگ رہا یہاں۔" اس کے انداز میں بے پناہ اجنبیت تھی۔

"کوئی غلطی ہو گئی ہے پتر ہم سے؟" اماں پریشان ہو گئیں۔

"ایسی بات نہیں ہے اماں جی!" وہ اکتا کر بولی۔ پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

"مجھے پاپا بہت یاد آرہے ہیں‘ میں جلد از جلد گھر جانا چاہتی ہوں۔"

اماں نے پیار سے اسے اپنے قریب کر لیا۔

"کڑیاں شہر کی ہوں یا گاؤں کی شادی کے بعد سب ایک سی ہو جاتی ہیں۔" اکبر ملک نے ہنس کر کہا پھر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔

"چلی جانا دھیے پر ابھی نہیں۔ صبح کا وقت زیادہ ٹھیک رہے گا۔"

وہ تو ایک پل بھی یہاں نہیں رہ سکتی تھی اور وہ صبح کی بات کر رہے تھے۔

"پورا دن پڑا ہے ابھی اگر ہم اب بھی نکلے تو شام تک پہنچ جائیں گے۔" اس کی ضد کے آگے سب خاموش ہو گئے۔

"تمہیں اچانک گھر کی یاد کیوں ستائی؟" جہاں داد نے کمرے میں آکر پوچھا۔ ذوباریہ سامان پیک کر چکی تھی۔

ذوباریہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولی۔

"اگر آپ یہیں رہنا چاہتے ہیں تو گاڑی کی چابی مجھے دے دیں۔ میں تنہا ہی چلی جاؤں گی۔"

"معمولی سفر نہیں ہے۔" اسے اس کی ضد پہ غصہ آرہا تھا‘ وہ واپسی کے ارادے سے جیکٹ پہننے لگا۔

"سفر کتنا ہی معمولی ہو جس کی منزل نہ ہو‘ وہ زیادہ دشوار ہوتا ہے۔"

جہاں داد اس کے لفظوں پہ چونک گیا‘ پلٹ کر دیکھا۔

وہ جھک کر بریف کیس اٹھا رہی تھی۔

* ☆ * ☆ *

جہاں داد گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

صفدر برابر والی سیٹ پہ بیٹھا تھا اور وہ پہلے کی طرح پیچھے ہی بیٹھ گئی تھی۔

اچانک واپس جانے پہ صفدر نے منہ بسورا ہوا تھا‘ اس لیے سفر میں پچھلی بار جیسی چہکار نہیں تھی۔

گاہے بگاہے جہاں داد ہی بول لیتا تو کچھ سکوت ٹوٹتا پھر خاموشی چھا جاتی‘ اس نے اکتا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

نور جہاں کی سریلی آواز سارے ماحول پہ چھا گئی‘ فلم ہیر رانجھا کا گیت چل رہا تھا۔

اور انجھن وے کیتوں اپنا حال سناواں۔

میری اکھیاں وچ اتھرے

کدو یکھاں سپنے تیرے

میرا ہور سوال نہ کوئی بس درد ونڈا لے میرے

میرا کوئی نہ دردی وے

کی پھوکاں کی کرلاواں

اور الجھن دیے

ذوباریہ جو سکون سے لیٹی ہوئی تھی' اٹھ بیٹھی' وہ اس کے انتخاب کو بڑے شوق و انہماک سے سن رہا تھا۔

"صفدر! ٹیپ بند کرو۔" اس نے پیچھے سے حکم دیا۔

جہاں داد نے بیک مرر میں اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ سخت خفا دکھائی دے رہی تھی۔

ملازم کی موجودگی کے خیال سے اس نے خود ہی ٹیپ بند کر دیا۔

"چلنے دیتیں بی بی جی! اتنا لمبا سفر کیسے گزرے گا۔" صفدر پہلی بار بولا۔

"کوئی اور کیسٹ لگا لو۔ مگر یہ نہیں چلانا۔"

جہاں داد کے چہرے پہ تبسم بکھر گیا۔

"انسان کی پسند اس کی شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ میں تو تمہارے سب جذبات سے واقف ہوں' کس سے چھپانا چاہتی ہو۔" وہ گاڑی چلاتا رہا۔

"مگر جذبات صرف پسند سے نہیں" انسان کے معمولی معمولی عمل سے بھی عیاں ہو جاتے ہیں۔"

"تمہیں پتا ہے صفدر! تمہاری بی بی جب سڑک پہ گاڑی چلاتی ہیں' تو ان کی خواہش کیا ہوتی ہے کہ ان کی گاڑی سڑک پہ سب سے آگے ہو۔" پھر وہ خود ہی ہنس پڑا۔ "حالانکہ یہ ناممکن ہے۔"

ذوباریہ پچھلی سیٹ پہ نیم دراز تھی۔ اس کی بات پہ تلخی سے مسکرا دی۔

"ساری بات ایک دوسرے کو سمجھنے کی ہے۔" سر سلطان بیگ کے لفظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے

"ہر انسان میں دو طرح کا آدمی چھپا ہوتا ہے۔ ایک بیوقوف اور ایک عقلمند' جس آدمی کو ہم زیادہ استعمال کرتے ہیں' وہی ہماری شخصیت کی پہچان بن جاتا ہے۔"

اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں اور اپنی ذات کا تجزیہ کرنے لگی۔ زندگی میں ایسا کئی بار ہوتا ہے کہ ہم اپنی محرومیوں کا اظہار کسی طرح سے بھی دوسروں پہ نہیں کرنا چاہتے اور خود کو بہت خوش اور کامیاب ثابت کرنے پہ لگے رہتے ہیں۔ یہ ہماری شخصیت کا دوہرا پن۔ ہمارا اصل تو چھپا دیتا ہے۔ مگر دوسروں پہ ہمارا آپ مثبت انداز میں ظاہر نہیں کرتا۔

کسی کے آگے ہم ہاتھ پھیلائیں گے عزت رہنے کی غرض سے تو ضروری تو نہیں وہ بھی یہی سمجھے اگر مقابل کا دل اور جیب خالی ہو۔ تو وہ اسے اپنی ذلت سمجھے گا نہ کہ عزت افزائی۔

ساری بات سمجھنے کی ہے۔ جہاں داد ملک! آپ نے مجھے صرف ایک جذباتی لڑکی سمجھا۔

میں اپنی بے وقوفیوں کی شکر گزار ہوں۔ انہوں نے مجھے ایک بے حس شخص پہ منکشف ہونے سے بچا لیا۔" ذوباریہ نے آنسو پونچھے اور اطمینان سے آنکھیں موند لیں۔"

جب وہ اپنے علاقے میں داخل ہوئے تو ذوباریہ الرٹ ہو کر بیٹھ گئی۔ "مجھے پاپا کی طرف اتار دیجیے گا۔"

جہاں داد نے اسے اس کے پاپا کے گھر ڈراپ کر دیا۔ اپنے گھر کی راہ لیتے ہوئے جہاں داد کے دماغ میں یہ بات بار بار آئی تھی کہ اس نے اسے اندر آنے کی آفر کیوں نہیں کی۔

☆ ☆ ☆

"بیٹی کی شادی کر دی فائق احمد! اور مجھے اطلاع بھی نہیں دی۔" روشن آرا کی اچانک آمد فائق احمد کے لیے اتنی ہی حیرت انگیز تھی جیسے کوئی مرحوم زندہ ہو کر واپس آ گیا ہو۔ ذوباریہ بھی باپ کے ساتھ ناشتا کر رہی تھی۔

ماں کو ایک طویل عرصے کے بعد دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔

بادامی کلر کی نفیس جارجٹ کی ساڑھی میں ان کا دراز قد اور دلکش وجود آج بھی حسین لگ رہا تھا' چہرے پہ آج بھی پہلے جیسی بشاشت تھی۔

شاید میک اپ بھی انہوں نے بہت خوب صورت کیا ہوا تھا۔

"زندگی کا نیا سفر مبارک ہو۔" روشن آرا نے بڑھ کر بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔

ذوباریہ بہت دیر تک ماں کے سینے سے لگی رہی۔ لیکن ایک بھی آنسو آنکھ سے نہیں نکلا۔

ہاں لیکن دل سے سرد آہ ضرور نکلی تھی۔

"کاش مما! آپ مجھے چھوڑ کر نہ جاتیں تو یوں میری زندگی تجربوں کی نذر نہ ہوتی۔"

وہ ماں سے علیحدہ ہوئی۔ پھر جھجک کر باپ کی طرف دیکھا۔ وہ ناشتے کی میز پہ موجود نہیں تھے' وہ ماں کو ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

"آپ کو کیسے ملی اطلاع؟"

"تمہارے فادر کے جاننے والوں سے ہی مل آئی میں ان کے کاروباری دوستوں نے بتایا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی روشن آرا نے ایک خوب صورت سا ڈائمنڈ کا لاکٹ پرس سے نکالا اور بیٹی کے گلے میں ڈال دیا۔

ذوباریہ ہیرے کو ہتھیلی پہ رکھ کر دیکھنے لگی۔

(پاپا کہتے ہیں۔ جو تحفہ وقت پہ ملتا ہے وہی تحفہ ہوتا ہے۔ بے وقت کے تحفے یا تو قرض ہوتے ہیں۔ یا نذرانے۔)

اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ جو شوق سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"کہاں ہوتی ہیں آپ آج کل؟" ذوباریہ نے پوچھا۔

"تمہارے ماموں کے پاس نیویارک میں۔ کئی بار سوچا تم سے ملوں۔ لیکن اس خیال نے ہمیشہ روک دیا کہ شاید تمہارے پاپا پسند نہ کریں۔"

ذوباریہ تاسف سے مسکرا کر رہ گئی۔

"ڈیر۔ اب تم خوش ہو؟"

"او یس مما۔" وہ ہنس پڑی' روشن آرا مطمئن ہو گئیں۔

"میں نے تصویر دیکھی تھی تمہارے ہسبینڈ کی۔ بہت خوب صورت داماد ڈھونڈا ہے تمہارے پاپا نے۔ ان کے انتخاب سے ایسا لگتا ہے جیسے انہیں اپنی زندگی سے کوئی گلہ تھا۔ وہ دھو دیا ہو۔"

ذوباریہ کے سینے میں تیر سا پیوست ہو گیا۔

(ہاں شاید آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ ایک بار میں نے پاپا سے ضد کی تھی کہ وہ آپ کو دوبارہ اپنا لیں لیکن شاید یہ ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ یہ میری دوسری ضد تھی۔ انہوں نے اپنے تمام اختیارات استعمال کر ڈالے۔ حتیٰ کہ اپنی عزت نفس بھی داؤ پہ لگا دی۔ صرف میری خاطر مگر یہ ثابت ہو گیا' زبردستی' حاصل کی ہوئی چیز ہمیشہ پہلے سے کسی نہ کسی کی ملکیت ضرور ہوتی ہے۔)

"مما! آپ رکیں گی یہاں؟"

"نہیں ہانی ڈیر! میں جاؤں گی۔"

روشن آرا نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔

اسی لمحے جہاں داد بلا دھڑک ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

اور پھر اچانک سی ٹھٹھک گیا۔

ذوباریہ ایک ایسی عورت کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جو جہاں داد کے لیے بالکل اجنبی تھی اور بے حد متاثر کن شخصیت کی حامل خاتون معلوم ہو رہی تھی۔

ذوباریہ نے اور روشن آرا نے بیک وقت اس کی طرف دیکھا۔

"میں ذوباریہ کی مدر ہوں۔" روشن آرا نے مسکرا کر خود کو متعارف کرایا۔ جہانداد کے قدم زمین پہ جم گئے وہ بری طرح چونکا تھا۔

اسے یاد تھا' ذوباریہ نے ایک دن بتایا تھا کہ اس کی مدر کا انتقال ہو گیا ہے پھر یہ۔

"آؤ بیٹا! کھڑے کیوں رہ گئے۔"

وہ کچھ نروس سا ہو گیا۔

"السلام علیکم۔" اس نے جھجکتے ہوئے سلام کیا۔

پھر خود کو مستعدی سے کنٹرول کرتے ہوئے مقابل بیٹھ گیا۔

ذوباریہ نے بڑی دلچسپی سے اس کے تاثرات نوٹ کیے تھے۔

"کیا بزنس کرتے ہیں آپ؟" روشن آرا نے داماد کی طرف رخ کر لیا۔

جہاں داد کچھ کنفیوز نظر آیا۔ اس قدر زبردست خاتون اور پھر ایسا سوال اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا

جواب ہے۔
اس نے ذوباریہ کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے پرسکون انداز میں بیٹھی ہوئی تھی پھر اگلے ہی پل مسکرا کر بولی۔
"مما! یہ پاپا کے ساتھ بزنس پارٹنر ہوتے ہیں۔"
"اوہ ویری نائس! اتنا اسمارٹ بزنس پارٹنر آپ سے شراکت داری ہے؟" روشن آرا نے پھر دلچسپی کا اظہار کیا۔
"اوہ مما! چھوڑیے بھی۔ آپ کیا باتیں لے بیٹھیں۔" ذوباریہ نے اکتاہٹ سے کہا اور روشن آرا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔
ان کی گفتگو کے دوران جہاں داد نے کئی بار دونوں کو حیرت سے دیکھا۔ ذوباریہ اپنی ماں میں اس طرح مگن تھی۔ جیسے جہاں داد موجود ہی نہیں ہے کئی بار اسے اپنا نظر انداز ہوجانا کھٹکا تھا۔
تھوڑی ہی دیر بعد روشن آرا اٹھ کھڑی ہوئیں۔
جہاں داد بھی ان کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔
"اچھا مائی سن! اب اجازت دو۔" روشن آرا نے جہاں داد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ذوباریہ کو پیار کر کے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئیں۔ ذوباریہ بھی ان کے ساتھ ساتھ آئی۔ جاتے جاتے انہوں نے ذوباریہ کو اپنا موجودہ ایڈریس تھمادیا۔
"اگر تم چاہو تو مجھ سے رابطہ رکھ سکتی ہو آخر کل میں تمہاری ماں ہوں۔" ذوباریہ نے ایڈریس ان سے لے لیا اور بیرونی دروازے تک انہیں رخصت کرنے گئی۔
جب وہ واپس ڈرائنگ روم میں پلٹی تو جہاں داد منتظر بیٹھا تھا۔
"تم نے تو کہا تھا تمہاری مما کی ڈیتھ ہوگئی ہے؟" اس کی حیرانی عروج پہ پہنچی ہوئی تھی۔
ذوباریہ نے اس کی طرف دیکھا۔
"میں نے یہ کہا تھا سر! میری مما ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔"
"عجیب بات ہے۔ میں نے ایسا ہی کیوں سمجھا۔" وہ کھسیا کر ہنس پڑا۔
"شی از ویری نائس لیڈی۔ بڑی زبردست ہیں آپ کی مدر! انتہائی گریس فل۔ بات چیت کا انداز تو اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہے میں حقیقتاً انہیں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔"
"مائنڈ اٹ سر!" ذوباریہ تند و ترش لہجے میں بولی۔
"وہ آپ کی ماں جیسی ہوتی ہیں۔"
جہاں داد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
"واٹ ڈو یو مین۔ کیا بیٹے ماؤں کی تعریف نہیں کرتے ہیں؟" ذوباریہ کی پیشانی پہ ناگواری کی لکیر کھنچ گئی۔
"شاید کرتے ہوں مگر اس میں بیٹے کا با کردار ہونا ضروری ہے۔" جہاں داد کی آنکھیں پوری کھل گئیں، اسی بات پہ اس کی پیشانی پانی کی بوندوں سے چمک اٹھی تھی اس نے جیب سے رومال نکال کر پیشانی پہ سے پسینہ صاف کیا۔
اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
ذوباریہ فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔
تھوڑی ہی دیر بعد اس نے فون بند کردیا۔ جہاں داد خود کو سنبھال چکا تھا۔
"میں نے صرف اس سینس میں تمہاری مدر کی تعریف کی تھی کہ وہ اتنی شاندار ہونے کے باوجود اس گھر میں کیوں نہیں رہ سکیں۔"
"یہ ان کی مرضی۔" ذوباریہ نے تیکھا سا جواب دیا۔ اس کا رویہ جہاں داد کو بہت برا لگا۔
"تمہارے فادر کے ساتھ شاید ان کی اس لیے نہیں نبھ سکی کیونکہ یہ بالکل ان میچ جوڑی تھی۔ یقیناً وہ ان کے ساتھ بہت آکورڈ لگتے ہوں گے۔"
"مسٹر ملک!" ذوباریہ نے غرا کر اس کی طرف دیکھا۔
"میں اپنے پاپا کے بارے میں کچھ نہیں سن سکتی، ہی از اے ویری بیوٹی فل پرسن۔ میرے پاپا دنیا کے خوب صورت ترین مرد ہیں اور خوب صورت مرد وہی ہوتا ہے جو عورت کی عزت کرنا جانتا ہے اس سے محبت کرنا جانتا ہے۔ اس کی اہمیت سے واقف ہوتا ہے ہر رشتے کا تقدس بحال رکھتا ہے چہروں سے اور قد کاٹھ سے مرد خوب صورت نہیں بن جاتے۔"
جہاں داد کے چھکے چھوٹ گئے، وہ یکلخت کھڑا ہو

گیا۔

"اور سننا چاہیں گے آپ خوب صورت مرد کی تعریف جو انسان حالات کے بہتے دھاروں کے ساتھ سفر کرے۔ حالات انسان کے جنون سے رخ نہیں بدلتے سر! انسان کو خود کو حالات کے مطابق بدلنا پڑتا ہے جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ حالات کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ ان کے رویے اس حد تک بدصورت ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کو ان سے خوف آنے لگتا ہے۔"

زندگی میں پہلی بار جہاں داد زوباریہ سے لاجواب ہوا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا بات کرے۔

"میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا؟" وہ بظاہر انجان بن کر بولا زوباریہ استہزائیہ مسکرائی۔

"یعنی خوب۔ یہ بھی میں سمجھاؤں۔ پوچھ لیا ہوتا اپنی بھرجائی، مام اور محبوبہ سے۔"

"آپ ایک لفظ نہیں بولنا۔" دکھ و اشتعال سے اگلے ہی لمحے جہاں داد کا ہاتھ اٹھ گیا۔

زوباریہ ذرا فاصلے پہ نہ کھڑی ہوتی تو یہ ہاتھ پھر سے اس کے چہرے کی زینت بن جاتا۔

جہاں داد کا ہاتھ فضا میں ہی بلند رہ گیا۔

زوباریہ پھر کر اس کے سامنے آ گئی۔ پھر اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی۔

"مسٹر ملک! یہ بات دھیان میں رکھنا، یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ آپ کا ذاتی بیڈ روم نہیں۔ جہاں آپ یہ غلطیاں بار بار دہراتے رہیں گے کسی گمان میں نہ رہیے گا کہ ہر بار آپ کی غلطی معاف کرانے کے لیے زوباریہ باپ کے سامنے ڈٹ۔۔۔ جائے گی۔"

جہاں داد بری طرح تلملا گیا۔

اس کے ہوش ہی کیا مزاج بھی ٹھکانے پر آ گئے تھے۔

"پاپا کا فون آیا تھا۔ انھوں نے آپ کو آفس بلایا ہے جانا چاہیں تو چلے جائیں۔"

زوباریہ نے جھک کر میز پہ سے اخبار اٹھایا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

* ☆ * ☆ *

دن بھر وہ سخت ٹینشن میں مبتلا رہا۔

بالآخر ساڑھے نو بجے کے قریب اس نے فون گھڑکا دیا۔ ملازم نے فون ریسیو کیا۔

"زوباریہ بی بی! آپ کا فون ہے۔"

"کون ہے؟" اس نے ٹی وی کی آواز ہلکی کر دی۔

"جہاں داد صاحب ہیں۔"

"ان سے کہو میں گھر پہ نہیں ہوں۔" وہ پھر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"چھوٹے صاحب پوچھ رہے ہیں ان سے پوچھ کر بتاؤ وہ کہاں گئی ہیں؟"

زوباریہ لال دین کی نااہلی پر تلملا گئی۔

"ان سے کہو جہنم میں گئی ہوں۔" دوسرے ہی لمحے اس نے خود بڑھ کر فون بند کر دیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آج تیسرا روز تھا۔ آفس جانے کے لیے وہ دانستہ دیر سے گھر سے نکلا تھا اس کا خیال تھا فائق احمد اب تک آفس جا چکے ہوں گے تب ہی اطمینان سے وہ اس کے گھر آ گیا۔

لال دین لان میں پانی دے رہا تھا، اسے دیکھتے ہی سلام جھاڑ دیا۔

"وعلیکم السلام، بڑے صاحب گھر پہ ہیں؟"

"جی وہ تو ابھی ابھی نکلے ہیں۔"

"اور تمہاری بیگم صاحبہ، آئی مین زوباریہ بی بی؟"

"وہ جی اپنے کمرے میں ہیں، آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں۔ میں انہیں اطلاع دیتا ہوں۔" لال دین نے چابک دستی دکھائی۔

"اں نہیں۔ رہنے دو میں وہیں چلا جاؤں گا۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ لال دین نے تعظیم سے اس کی کمرے تک رہنمائی کی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو انگلش میوزک کی اٹھا پٹخ اس کی سماعتوں پہ ہتھوڑے برسانے لگی۔

اس نے ناگواری سے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔

سامنے ہی وہ ریشمی گلابی نائٹی میں ملبوس بستر پہ اوندھی اس طرح پڑی تھی کہ پاؤں کے تلوے چھت کی

طرف تھے اور میوزک کے ساتھ ساتھ ہل رہے تھے، برہنہ پنڈلیاں اور برہنہ بازو، کشادہ گلے کی نائٹی وہ بڑے قابل اعتراض حلیے میں تھی۔

جہاں داد کی نگاہیں چکاچوند ہو گئیں۔

سب سے پہلے یہی خیال دل میں آیا کہ اس گھر کے سب ملازم مرد حضرات ہیں، نجانے کتنی بار ملازم کو حکم بجا لانے کے لیے اندر آنا پڑا ہو گا۔

اس کے بستر کے قریب ہی ورشہ کارپٹ پہ بیٹھی تھی، اس کے ہاتھ میں بھی کافی کا مگ تھا۔ دونوں کے سر قریب قریب تھے۔ جیسے باہم ہمکلام ہوں۔

"یہ وصف بھی خواتین میں ہی ہے میوزک چاہے کیسا دھماکہ خیز کیوں نہ ہو۔ ہر کام بڑے اطمینان سے کر لیتی ہیں۔ حتیٰ کہ باتیں بھی۔" اس نے آگے بڑھ کر ڈیک آف کر دیا۔

دونوں نے چونک کر دیکھا، اگلے ہی پل ورشہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

ذوباریہ ایسے ہی پڑی رہی۔

جہاں داد کو عجیب سا لگا، اس نے ورشہ کی طرف دیکھا۔ پھر بے حد شائستگی سے معذرت طلب لہجے میں بولا۔

"پلیز مجھے کچھ پرسنل بات کرنی ہے۔"

ورشہ خود اس سچویشن سے نروس ہو رہی تھی۔ باہر جانے لگی، اگلے ہی پل ذوباریہ بول پڑی۔

"ورشہ! تم باہر نہیں جاؤ گی۔" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"کیونکہ میرا ان سے کوئی پرسنل معاملہ نہیں ہے۔"

ورشہ بوکھلا گئی۔

پھر ذوباریہ کو گھور کر یوں دیکھا۔ جیسے دل ہی دل میں کہہ رہی ہو۔ "اپنا حلیہ دیکھو بے غیرت۔"

"سر! آپ بیٹھیں میں باہر جا رہی ہوں۔" اگلے ہی پل وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد جہاں داد نے دروازہ بند کر دیا۔

پھر اس کے نزدیک صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"نائٹی رات کا لباس ہوتی ہے، سحر کے ساتھ ہی اسے بدل لینا چاہیے۔"

ذوباریہ اس کی بات پہ ہنس پڑی، جیسے بہت محظوظ ہوئی ہو۔

"یعنی یہ مردوں کی ذات کی طرح ہوتی ہے بدلنا شرط جو ٹھہری۔"

"کیا تم شادی سے پہلے بھی ایسے لباس پہنتی تھیں؟"

اس کے دوسرے سوال پہ ذوباریہ ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔

"سر! میں نے تو کبھی نہیں پوچھا آپ سے کہ آپ شادی سے پہلے کیا کیا کرتے تھے۔" جہاں داد اس کی بات پہ جز بز ہو کر رہ گیا۔

"یہی تمہاری سب سے بڑی غلطی ہے کہ تم نے اس فیصلے میں صرف اپنی ذات کو ترجیح دی اور میرے متعلق جاننے کی کوشش نہیں کی۔"

"میں اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی ہوں۔" ذوباریہ مسکرائی۔

"تمہیں میرے متعلق جو کچھ بھی معلومات ہیں۔ میں اس پہ قطعی شرمندہ نہیں ہوں۔"

"البتہ میں شرمندہ ہو گئی تھی۔ اس لیے فوراً یہاں سے لوٹ آئی۔"

"بہتر ہوتا کہ تم ساری بات جان کر لوٹتیں۔" وہ اس کی ہٹ دھرمی پہ تلملا کر بولا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی تھی آپ کے بارے میں جاننے کی۔"

"مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اپنے متعلق تمہیں بتانے کی انڈرسٹینڈ۔ اس لیے کہ یہ تمہارا ایک طرف فیصلہ تھا۔ اور نہ ہی میں تمہارے سامنے کسی بھی وضاحت کو ضروری سمجھتا ہوں، کون ہوتی ہو تم جس کے سامنے میں اپنا ماضی بیان کروں اور دلیلیں دوں۔ یہ بات تمہیں سوچنی چاہیے تھی۔"

وہ مشتعل ہو کر بولا، ذوباریہ نے سکون سے اس کی

طرف دیکھا۔

"تو پھر سر! آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں؟"

جہاں داد انتہائی اطمینان سے بولا۔

"تمہیں لینے آیا ہوں، گھر چلو۔"

"واٹ ڈو یو مین گھر چلو۔" ذوباریہ جھٹکے سے اٹھی۔ اگلے ہی لمحے بستر چھوڑ کر کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔

"کس حیثیت سے آپ مجھے لے جانا چاہتے ہیں؟"

"ویری گڈ، شادی سے پہلے یہ سوال تمہیں اپنے پاپا سے کرنا چاہیے تھا کیونکہ انہیں بخوبی اندازہ تھا کہ ان کی بیٹی کس حیثیت سے میرے گھر میں جا رہی ہے۔ اب یہ سوال بے کار ہے۔" وہ بھی صوفے پر سے کھڑا ہو گیا۔

ذوباریہ تحیر سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

وہ تلخی سے ہنس دیا۔

"ان سب باتوں کو بھول کر مجھے اپنی جگہ پہ رکھ کر سوچو پھر تمہیں اندازہ ہو گا کہ زیادتی کس کے ساتھ ہوئی ہے۔ تمہارے ساتھ یا میرے ساتھ؟ اگر تم اس قدر خود غرضی کا ثبوت نہ دیتیں تو حالات مختلف ہوتے۔ اگر ذرا سی بھی انسانیت ہے تم میں تو سوچ سکتی ہو، کھونے کا دکھ نہیں مجھے، جھٹلا دیے جانے کی آگ میں بھر بھر جل رہا ہوں۔"

"صرف جھٹلائے جانے کی آگ؟"

ذوباریہ کی آنکھوں میں پانی تیر گیا۔

"میرا خیال ہے سر! میں اپنا بھگتان بھگت چکی ہوں، اب آپ کو صبر آ جانا چاہیے۔" اگلے ہی پل اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی تھی۔

جہاں داد نے آگے بڑھ کر بے رحم انداز میں اس کی کمر میں اپنا بازو حمائل کیا اور اس کے بازو پر لگی ریشمی ڈوری کو کھینچتے ہوئے بولا۔

"اب صبر نہیں آ سکتا کسی طرح سے بھی۔"

"بتاؤ کتنا تشدد پسند ہے تمہیں۔ کتنا۔" ذوباریہ روپڑی پھر جھٹکے سے اس کے حصار سے نکل گئی۔

"سر! آپ کے اور میرے درمیان اب کوئی یقین نہیں ہے۔"

"یہ حساب تو قیامت تک بھی صاف نہیں ہو سکتا۔" وہ مسکرایا۔ "شام کو میں آفس سے ادھر ہی آؤں گا، چلنے کے لیے تیار رہنا۔" اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

* ☆ * ☆ *

یہ رات جہاں داد کے لیے بہت بھاری تھی۔ وہ دانستہ اسے لینے نہیں گیا تھا، اس نے یقیناً انتظار بھی نہیں کیا ہو گا۔

اگر یہی بات وہ کسی اور طرح کرتا تو وہ صبح سے ہی شام کا انتظار کرنا شروع کر دیتی۔ وہ جانتا تھا وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔ اتنی محبت کہ وہ اس سے محبت نہ بھی کرے تب بھی وہ اسے چاہتی رہے گی۔

"شاید اسے خود پہ بہت گمان ہے۔ ہر چیز کو تسخیر کر لینے کا گمان اور شاید اسے اپنی محبت پہ بھی بہت گمان ہے میری نفرت سے بھی زیادہ، اپنی محبت کو طاقتور سمجھتی ہے اس کا یہ گمان ضرور ٹوٹے گا، میری طرف سے محبت باقی رہے گی۔ پھر بھی محبت کے لیے ترسے گی، کبھی اقرار نہیں کروں گا، کبھی نہیں بتاؤں گا اسے۔"

وہ بستر چھوڑ کر کھڑکی کے آگے کھڑا ہو گیا اور چاند کو دیکھنے لگا۔

"پاگل لڑکی! تمہاری دیوانگی کے آگے میں نے گھٹنے ٹیک دیے ہیں، میں تمہاری محبت کے آگے اسی دن ہار گیا تھا جب تم نے ساری رات میری زندگی کی دعائیں مانگی تھیں۔ حالانکہ تمہیں اس وقت مجھے اکیلے چھوڑ دینا چاہیے تھا، یہ سوچ کر کہ مکافات عمل سب کے ساتھ ہے لیکن۔ تمہاری محبت، تمام جذبات پہ غالب تھی۔ میں اسیر ہو رہا تھا، آہستہ آہستہ تمہاری محبت کی بارش میں بھیگ رہا تھا، اس بارش نے میرے دل کا سارا بغض دھو دیا۔ تمام نفرتوں کو دھو ڈالا، میرے روم روم پر تمہاری محبت اوس بن کر گر رہی تھی، مجھے اپنی زیادتیوں کا احساس ہو رہا تھا۔

اور میں نے۔ میں نے۔ پاگل لڑکی۔ اپنی زیادتی کا مداوا کیا، تمہارے زخم کو اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ تم

نے سوچا ہوگا۔ کاش میں ہوش میں ہوتا۔ مگر میں ہوش میں تھا۔ اگر تم یہ سب کچھ جان لو تو خوشی سے ناچنے لگو۔ مگر نہیں۔ پھر وہی ایک فتح میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا۔ کبھی بھی نہیں۔"

وہ کمرے میں ٹہلتا رہا۔

"لیکن کیا ایسا ممکن ہے؟" وہ چاند کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

یہ نہیں پتا تھا کہ وہ کسے آزما رہا ہے اسے یا خود کو شام کا وعدہ کر کے تقریباً ایک ہفتے کے بعد اسے لینے آیا تھا۔ مگر وہ گھر پر نہیں تھی۔

"کہاں گئی ہے؟" ملازم سے پوچھا۔

"صاحب کلب۔"

"کلب!" وہ حیران ہوا۔ "کون سے کلب؟"

"ایکسر سائز کلب صاحب جی۔" حیرانگی کا ایک اور جھٹکا لگا۔

"تمہیں معلوم ہے کلب کا نام۔" ملازم ہنسنے لگا۔

"گھر کا ہی کلب ہے جی۔ بھلا کیا نام ہوگا۔ ویسے ذوباریہ بی بی کہہ رہی تھیں کلب کا کوئی نام رکھیں گی۔ کیونکہ اس علاقے کی بہت ساری لڑکیاں آتی ہیں یہاں ایکسر سائز کرنے۔"

جہاں داد کو اس کی تفصیل سے الجھن ہوئی۔

"یہ بتاؤ اس وقت وہ اکیلی ہوں گی یا۔ اور بھی خواتین ہوں گی وہاں؟"

لال دین نے وقت دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔

"نہیں جی۔ اس وقت تو وہ اکیلی ہی ہوں گی۔"

وہ لال دین کی ہمراہی میں بنگلے کے پچھلے حصے کی طرف آ گیا۔

گھر کے دونوں طرف لان تھا۔ پچھلے لان میں سے گزر کر ایک کشادہ راہداری تھی ساتھ سے زینہ چڑھ رہا تھا۔

"یہاں سے چلے جائیں جی۔ اوپر پہلا ہی کمرہ ہے۔"

اس نے گھر کا یہ حصہ پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ کھلی کشادہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ پھر کسی خیال کے تحت رک گیا۔

"سنو لال دین!" ملازم مستعدی سے مڑا۔

"یہ کلب کب سے ہے؟"

"یہ تو جی۔ بہت پرانا ہے۔ جب بڑی بیگم صاحب یہاں ہوتی تھیں۔ تب سے۔ یا۔ شاید۔ ان سے بھی پہلے۔ مجھے یاد نہیں جی۔"

"اچھا تم جاؤ۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اوپر چڑھ گیا۔

شیشے کا براؤن تیج سسٹم دروازہ تھا۔ اس نے ہلکا سا پش کیا۔ دروازہ کھل گیا۔ سامنے ہی ایک بہت بڑا ہال تھا۔

جس میں جدید آلات ایکسر سائز کے لیے رکھے ہوئے تھے ہال کے فرش پہ نیلا قالین ــــ بچھا ہوا تھا۔ پوری چھت شیشے کی تھی۔ فرش پہ رکھی ہوئی ہر چیز چھت میں نظر آ رہی تھی۔ جینا سوئنگ کا ڈیک رکھا تھا۔

اس کی نگاہ ذوباریہ پہ پڑی۔ ہلکا آسمانی گہرا نیلا کنٹراس ٹراؤزر شرٹ پہنے جوگرز سمیت وہ رولر پہ کھڑے کھڑے دوڑ رہی تھی۔ جیسے جنونی کیفیت میں بھاگتی ہی چلی جا رہی ہو۔ نہ رکنے کے لیے۔ جہاں داد اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

محبت کرنے والے جنونی ہوتے ہیں۔ اپنے نفع نقصان سے بالاتر۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ خود کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کا بازو پکڑ کر رولر پہ سے نیچے اتار لیا۔

"یہ تم کیا کر رہی تھیں؟" جہاں داد نے ایسے پوچھا جیسے وہ خودکشی کر رہی تھی۔

"سارا فگر خراب ہو جائے گا۔" اس نے تشویش کا اظہار کیا۔

(کاش آپ کو میرے دل کی پروا ہوتی)

ذوباریہ بازو چھڑا کر قریب پڑی کرسی پہ ڈھے گئی۔

اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اور تنفس تیز ترین تھا۔

جہاں داد نے رحم بھری نگاہ اس پہ ڈالی۔ پھر تولیہ اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ جس سے ذوباریہ چہرہ اور گردن صاف کرنے لگی۔

جہاں داد نے اس پہ سے نگاہ ہٹائی۔ اور ہال کا جائزہ لینے لگا۔ دیواروں پہ عجیب عجیب لوگوں کی تصاویر لگی تھیں۔

کچھ مرد تھے کچھ عورتیں۔ یقیناً "یہ سب ان آلات کا شاخسانہ تھے۔ جہاں داد کو ان کے جسموں سے گھن آنے لگی ایک شخص نے تو باقاعدہ اسے چونکا دیا۔ اس کی رگیں گوشت سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے جسم پہ کیڑے مکوڑے رینگ رہے ہوں۔

اس نے ذوباریہ کی طرف دیکھا۔ جو تقریباً" سانسیں بحال کر چکی تھی۔

"یہ کون صاحب ہیں؟۔" اس نے اشارہ کیا۔

"پول ڈیلٹ۔ عالمی باڈی بلڈر۔"

"تم اس جیسا بننا چاہتی ہو؟۔"

ذوباریہ نے کوئی جواب نہیں دیا سر جھکا کر جو گرز کے تسمے کھولنے لگی۔

جہاں داد نے دلچسپی سے ایک ڈمبل اٹھا لیا اور اسے اپنے ایک ہاتھ سے اوپر نیچے کرنے لگا۔

"بہت ہلکا ہے۔" اس نے ہنس کر واپس رکھ دیا۔

ذوباریہ جوتے اتار کر سیدھی ہو گئی۔

"کتنا وزن اٹھانے کی پریکٹس ہوئی؟۔" اس نے ذوباریہ کو چھیڑا۔

"ضمیر کا بوجھ اٹھا لیا ہے' اتنا ہی کافی ہے۔" ذوباریہ نے کرسی کی بیک سے اپنا کوٹ اٹھا کر شانے پہ ڈال لیا۔

جہاں داد بے ساختہ ہنس پڑا۔

"حالت جنگ میں رہنے والے۔ آلات پہلوانی سے خود کو تیار کر رہے ہیں۔" ذوباریہ جل گئی۔

"مقابلہ ان کے ساتھ کیا جاتا ہے' جن کا ضمیر صاف ہو۔"

جہاں داد نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔ "تو پھر کیا انتقام کی تیاری ہو رہی تھی؟۔"

ذوباریہ نے کوئی جواب نہیں دیا' انٹر کام اٹھا کر بات کرنے لگی۔

"لال دین! بابا آ گئے ہیں؟۔"

"وہ دیر سے آئیں گے' ڈنر پہ گئے ہوئے ہیں' باہر سے پارٹی آئی ہوئی ہے۔" انٹر کام کے بجائے باہر سے جواب موصول ہوا۔ اس نے جہاں داد کی طرف دیکھا۔ لال دین کچھ اور تفصیل بتا رہا تھا۔ اس نے اچھا کہہ کر فون بند کر دیا۔

"آپ ہمیشہ بابا کی غیر موجودگی میں ہی کیوں آتے ہیں؟۔"

"لاحول ولا' اپنی بیوی کے پاس آتا ہوں۔ تمہارا اس بات سے مطلب کیا ہے؟۔"

"ہونہہ۔ بیوی!" ذوباریہ تلخی سے ہنسی۔

"کیا تم میری بیوی نہیں ہو؟۔" جہاں داد کرسی کی ہتھیوں پہ ہتھیلیاں جما کر تقریباً" اس کی طرف جھک گیا۔ اور مدہوشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی قربت سے ذوباریہ کی سانسیں الجھنے لگیں۔

اگلے ہی پل وہ گستاخی کا ارتکاب کر بیٹھا۔ ذوباریہ کا رنگ اڑ گیا۔ جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ شوخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

ذوباریہ اسے دھکیل کر پھرتی سے کھڑی ہو گئی۔ اور اپنی سانسوں کا زیر و بم سنبھالتے ہوئے رخ موڑ کر بولی۔

"لگتا ہے آپ ہوش میں نہیں ہیں۔"

جہاں داد نے گھوم کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"ہاں' میں ہوش میں نہیں ہوں' بھلا میں ایک ہوش مند مرد' کسی بیوقوف لڑکی سے محبت کر سکتا ہے۔" ذوباریہ اس کی قربت سے دہک اٹھی۔ اس کے جذبے آگ کی طرح آنچ دے رہے تھے۔ یہ تپش محبت کی تھی۔ نہ کہ نفرت کی' لیکن وہ ادراک کے لمحوں سے کوسوں دور تھی' وہ اس کے بازوؤں میں کسمسائی۔

"جائیے پھر۔ کسی عقل مند سے محبت کیجئے۔"

"کالج سے ریزائن کر چکا ہوں۔ محبت کرنے کے زیادہ چانس وہیں ہوتے ہیں۔" وہ شرارت و سرگوشی سے گویا ہوا۔

ذوباریہ اس کے طنز کا مفہوم سمجھ گئی۔

(جانے کیوں ـــــ اس شخص سے توقعات وابستہ کیے بیٹھی ہوں)

اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ پوری طاقت سے اپنا آپ اس سے چھڑا لیا۔

جہاں داد کو اس کی کوشش نے لطف دیا' پھر شرارت سے داد دینے والے انداز میں بولا۔

"دیکھی محبت رنگ لائی ہے۔"

"کاش محبت بھی رنگ لا تی۔" اس نے افسوس سے کہا۔ اور ہتھیلی سے آنسو رگڑ لیے۔ جہاں داد زور سے ہنس پڑا۔ یہ لڑکی اسے مجبور کر رہی تھی۔ وہ اپنی تمام پیش بندیوں کے سامنے ہار رہا تھا' تمام تر لائحہ عمل بے کار ثابت ہو رہے تھے۔

(آخر' آخر تم کیوں چاہتی ہو کہ میں تمہارے سامنے ہار تسلیم کروں۔ تم خود کیوں نہیں ہار جاتیں مجھ سے۔)

وہ اس کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہار گیا ہو' تھک گیا ہو۔ پھر اسے شانوں سے پکڑ لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"جان من! میں ہار گیا' اور تم جیت گئیں۔ لیکن اظہار محبت سے پہلے میں تمہارے دل کو اپنی طرف سے صاف کرنا چاہتا ہوں' تاکہ اس دل کے موسم ہمیشہ میرے لیے تابندہ رہیں۔"

اس نے آہستہ آہستہ اپنی امیر حمزہ سنانا شروع کی۔

زوباریہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

جہاں داد اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"پھر یوں ہوا کہ وہ لڑکا شہر آ گیا' بہت جلد ہی اسے ایک چالاک لڑکی ملی۔ ویسے تو اور بھی لڑکیاں چالاک تھیں' لیکن وہ شاید سب سے زیادہ چالاک تھی۔ تب ہی تو اس نے اس بھولے بھالے لڑکے کو اپنے جال میں پھانس لیا۔"

اس نے شرارت سے بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کر دیے۔

"پھر وہ لڑکی اسے محبت سکھانے لگی۔ اس لڑکے کو اس کا کوئی بھی انداز پسند نہیں آیا۔ لیکن ایک رات' ایک رات ـــــ"

وہ اپنا چہرہ اس کے قریب لے آیا۔ زوباریہ کے ہوش جاتے رہے۔ وہ خوفزدہ سی پیچھے کی طرف پلٹ گئی۔

"وہ لڑکی اس لڑکے کو بے ہوش سمجھ کر مسیحائی کے لمس سے نوازتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ لڑکا اپنی چارہ گر کے فسوں میں قید ہو کر رہ گیا۔"

حیرت سے زوباریہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ بس زمین پہ گرنے کو تھی۔

"اس لڑکی نے بڑی چالاکی سے اسے اپنی چاہت کا اسیر بنا لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لڑکا اپنی شکست کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔ ایک دن اس نے فیصلہ کیا' وہ کبھی اپنے جذبے اس پہ عیاں نہیں کرے گا۔ مگر لڑکی۔ لڑکی کی محبت زیادہ طاقت ور تھی۔ اس نے لڑکے کو مجبور کر دیا۔"

اگلے ہی پل زوباریہ گھوم کر اس کے حصار سے نکل گئی' اور تیزی سے اس سے دور ہو گئی۔ اس کے ابھی تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ چند ہی لمحوں میں یہ کیا ہوا؟

یہ سب سچ تھا یا۔ یونہی۔ حیرت و خوف سے وہ جہاں داد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کے قریب آ گیا' پھر اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھ کر مسکرایا۔

"اب لڑکے نے فیصلہ کیا ہے وہ باقی کہانی گھر جا کر سنائے گا۔ تاکہ لڑکی اطمینان سے سن سکے۔"

وہ اس کی کیفیت سے حظ اٹھاتے ہوئے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سیدھا ہو گیا۔

"چلیے' جان جہاں داد۔ گھر چلتے ہیں۔"

زوباریہ نے اس کی طرف یوں دیکھا۔ جیسے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی ہو۔

✈ ✈ ✈ ✈

موسم تھا یا آفت' اس کا آفس جانے کو قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مارے باندھے جانے کی تیاری کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ آفس سے چھٹی حاصل کرنے کے لیے آج کون سا نیا طریقہ اختیار کرے کہ زوباریہ اس کی چھٹی پہ رضا مند ہو جائے۔ ریسٹ واچ باندھتے

ہوئے سعا" اس کی نگاہ گھڑی کی سوئیوں سے الجھ کر رہ گئی۔

یکم جنوری انہیں سوتا تو ہے۔

آج سال کا پہلا دن تھا۔ اس کا دل بلیوں اچھلا۔ اب چھٹی کا مرحلہ آسان تھا۔ وہ ذوباریہ کو تلاش کرتے ہوئے کچن میں آگیا۔ سرخ ویلوٹ کے سوٹ میں ملبوس بلیک شال ڈالے وہ ناشتا بنانے میں مصروف تھی۔

پہلے تو موسم کی سازش تھی' اب وہ خود آزمائش بنی کھڑی تھی۔ جہاں داد کا دل اور بھی مچل گیا۔

"ہیپی نیو ایئر۔" وہ چپکے سے اس کے نزدیک آیا۔ ذوباریہ ڈر گئی۔ وہ ہنس پڑا' دوسرے ہی پل ذوباریہ بھی ہنس پڑی۔

"سیم ٹو یو۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"یوں نہیں کسی اور طرح سے وش کرو۔ تاکہ سال بھر مجھے یہ پہلا دن یاد رہے۔"

"مثلاً" "کس طرح سے؟" ذوباریہ نے نہ سمجھتے ہوئے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے سر سے مجھے آج چھٹی دلا دو۔" اس نے معصوم سی صورت بنائی۔ ذوباریہ ہنس پڑی۔

"سال کے پہلے ہی دن چھٹی کی تو سارا سال چھٹیوں میں ہی گزرے گا۔ اس لیے آج کے دن چھٹی کرنا بدشگونی ہے۔ آپ آفس جائیں۔ پاپا کے پہلے ہی دو فون آچکے ہیں۔" جہاں داد کا منہ اتر گیا۔

"میڈم پلیز۔" اس نے ذوباریہ کے شانے پہ ٹھوڑی ٹکا کر فرمائش کی۔

"اوں۔ ہوں۔" ذوباریہ نے ہنس کر نفی میں گردن ہلا دی۔

"میری پیاری بیوی۔" وہ بضد ہوا۔

ذوباریہ نے پھر ہنس کر نفی میں گردن ہلا دی۔

"دس از مائی آرڈر۔" وہ اکھڑا بنا۔ ذوباریہ دیر تک ہنستی رہی۔

"مگر آپ چھٹی کر کے کریں گے کیا؟" وہ انڈا فرائی کرنے لگی۔ "آپ کو دیکھیں گے۔ موسم سے لطف اٹھائیں گے۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"پھر تو قطعی آپ کی سفارش نہیں ہو سکتی۔" ذوباریہ میز پہ ناشتا رکھنے لگی۔

وہ بے چین ہو کر اس کے پیچھے پیچھے آگیا۔

"چلو اچھا۔ کوئی اچھی سی مووی دیکھیں گے جو تمہاری پسند کی ہو۔"

"باز آئی میں آپ کے ساتھ فلم دیکھنے سے۔ فلم کم دیکھتے ہیں۔ ڈائیلاگ کا عملی مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے۔"

جہاں داد ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔ "اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کو اکیلے اکیلے محبت کرنے کا شوق ہے' ہم میدان میں آئے اور آپ 'بھگل' ہو گئیں۔"

"واٹ ڈو یو مین 'بھگل'؟" ذوباریہ اس نئے لفظ سے محظوظ ہوئی۔

"میدان چھوڑ کر بھاگ جانا۔" وہ اس کے سوال پہ ہنس کر بولا۔

ذوباریہ سر جھٹک کر ہنس پڑی۔ "ایک استاد کی یہ اردو۔"

"گاؤں کے ماحول کا کچھ اثر بھی تو ہونا چاہیے۔" دوسرے ہی پل خوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"تو کیوں نہ گاؤں چلیں؟"

"نا بابا نا۔ یہاں اتنی سردی ہے۔ تو وہاں کیا حال ہوگا۔"

ذوباریہ نے گاؤں کے خیال سے پناہ مانگی۔

"اسی لیے تو آفر کر رہا ہوں۔" جہاں داد نے ہنسی دبائی۔ ذوباریہ کے چہرے پہ کئی رنگ آکر بکھر گئے۔

"اب کی بار میں اتنے موٹے سوٹ لے کر جاؤں گی کہ مجھے لحاف بھی اوڑھنا نہیں پڑے گا۔"

"ہا۔ہا۔ہا۔ یعنی پیراشوٹ کا لباس۔"

ذوباریہ روہانسی ہو گئی۔

"اب تو بالکل بھی چھٹی لے کر نہیں دوں گی۔"

جہاں داد ہنستا ہی چلا گیا۔ پھر اس کے قریب آکر سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

"نئی وے۔ میں خود فون کر کے کہہ دیتا ہوں۔ سر! آپ کی بیٹی مجھے آنے نہیں دے رہی' مجھ سے زیادہ

"موسم کا اس پہ اثر ہو رہا ہے۔"

اگلے ہی پل شرم سے ذوباریہ کے ہونٹ سل گئے اور نگاہیں جھک گئیں۔ جہاں داد اس کے پیچھے کھڑا تھا' مسکرا دیا۔ پھر اسے اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے اپنی ٹھوڑی اس کے شانے پہ ٹکائی۔ اور آہستگی سے بولا۔

"زیب!!"

"ہوں۔" ذوباریہ نے اپنے ہاتھ اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں پہ رکھ دیے جیسے اپنے تحفظ پہ ناز کر رہی ہو۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا؟" جہاں داد کے انداز میں جھجک بھی تھی اور ندامت بھی۔

ذوباریہ مسکراتے ہوئے اس کے کف لنکس چھیڑنے لگی۔

"محبت میں معافی کا کیا سوال؟" ذوباریہ کی وسعت قلبی کے آگے اسے اپنا آپ بے حد حقیر لگا۔

اس نے تڑپ کر ذوباریہ کو اپنی طرف موڑ لیا۔

"میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیے ہیں زیب۔ بہت نادانیاں سرزد ہوئی ہیں مجھ سے۔ جائز اور ناجائز تم میرا ظلم سہتی رہی ہو۔ اس کے باوجود تم نے مجھے معاف کر دیا۔ کیا ایک دن بھی۔ ایک دن بھی۔ تمہیں مجھ پہ غصہ نہیں آیا یہاں سے بھاگ جانے کو دل نہیں چاہا۔ مجھ سے نفرت نہیں ہوئی۔ کیسی محبت تھی تمہاری زیب۔۔۔ آخر ایسا بھی کیا تھا مجھ میں۔"

ذوباریہ نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تو آپ مجھے کسی مرد کی طرح لگے تھے اور بس یہی میری تمام عمر کی محرومی کا احساس تھا۔ باوجود آپ سے دیوانگی کی حد تک محبت کرنے کے میں کبھی اپنی ذات کا یہ ور آپ پہ منکشف نہیں کر سکوں گی۔ کیونکہ اس سے میرے والدین کی زندگیوں پہ حرف آتا ہے۔ میں آپ سے سب کچھ شیئر کروں گی مگر یہ راز نہیں۔"

"میں نے بھی تو آپ کو بہت ستایا ہے۔" وہ اسے شرمندہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

جہاں داد نے اس کے صبیح روشن چہرے پہ نگاہ ڈالی۔ پھر ملال سے مسکرا دیا۔

"تم تو اپنا کفارہ ادا کر چکیں۔ میں تو تمام عمر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز رہوں تب بھی خود کو معافی کے لائق نہیں سمجھتا۔"

اس نے ذوباریہ کی طرف دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

"تم مجھے معاف کر دو گی تو وہ بھی شاید مجھے معاف کر دے۔"

ذوباریہ مسکرا دی۔ پھر اس کے گریبان کے بٹنوں سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"آپ نے کوئی خطا ہی نہیں کی تو پھر معافی کا کیا سوال؟" جہاں داد کی آنکھیں روشن ہو گئیں پھر اس نے اپنے بازوؤں کا حلقہ اس کے گرد تنگ کر لیا۔

"تم نے واقعی مجھے محبت کرنا سکھا دیا زیب! ایک دن میں نے سوچا تھا زیب۔ تمہیں ہمیشہ تڑپاتا رہوں گا۔ لیکن یہ جو محبت ہوتی ہے ناں۔ کسی قیمتی خزانے کی طرح ہوتی ہے۔ جو بھی اس سے مالا مال ہو جائے۔ اسے چھپانے پہ قادر نہیں ہوتا۔ بلکہ اظہار کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے۔ جس طرح میں۔۔۔ بے قرار رہنے لگا ہوں۔"

ذوباریہ اس کی شدتوں کے سامنے خاموش تھی۔ وہ اس کے اس قدر نزدیک تھا کہ شرم سے وہ بول نہیں پائی تھی۔

"کچھ تو بولو زیب!" وہ اسے خاموش دیکھ کر چھیڑنے لگا۔ وہ کیا بولتی۔

بارش کوئی بھی ہو۔
اس میں بھیگتے ہوئے بوند بوند کا حساب نہیں رکھا جاتا۔
وہ تو بس محسوس کرنے کا وقت ہوتا ہے۔

اس کا تن من۔ محبت کی بارش میں بھیگ رہا تھا۔

اس نے سرشاری سے اپنا سر جہاں داد کے سینے پہ ٹکا دیا۔ یہ سوچ کر کہ تمام جذبے لفظوں کے مرہون منت نہیں ہوتے

سال کا پہلا ہی دن کتنا خوبصورت تھا۔ یوں جیسے عمر کا ہر لمحہ ہر نیا دن۔ کسی نوخیز دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ ان کا سواگت کرنے کے لیے تیار رہے گا۔